الصرف ام العلوم والنحو ابوها

فضلِ خدائی

شرح اردو

صرف بہائی

شارح

امام الصرف والنحو ابو الاسد حضرت علامہ مولانا الحاج

محمد ہاشم علی نوری دامت برکاتہم العالیہ

معلم الصرف دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

مرتب: عبد الرزاق فریدی

سابق مدرس جامعہ فریدیہ، حال مقیم نیوکیسل آپان ٹائن انگلینڈ

ناشر مکتبہ نوریہ قادریہ محلہ درس بصیر پور شریف (اوکاڑہ)

اَلصَّرفُ اُمُّ العُلُومِ وَالنَّحوُ اَبُوھَا

فضلِ خدائی

شرح اردو

صرفِ بہائی

شارح

امام الصرف والنحو ابو الاسد حضرت علامہ مولانا الحسان

محمد ہاشم علی نوری دامت برکاتہم العالیہ

معلم الصرف دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

مرتب: **عبد الرزاق فریدی**

سابق مدرس جامعہ فریدیہ، حال مقیم نیو کیسل آپان ٹائن انگلینڈ

ناشر مکتبہ نوریہ قادریہ محلہ درس بصیر پور شریف (اوکاڑہ)

نام کتاب	فضلِ خدائی (شرح اردو) صرف بہائی
شارح	امام الصرف ابوالاسد محمد ہاشم علی نوری
مرتب	عبدالرزاق فریدی
پروف ریڈنگ	حافظ محمد مشتاق وٹو
کتابت	شاہ محمد چشتی / ضیاالرحمٰن
صفحات	۸۰ صفحات
تعداد کتاب	۱۱۰۰
قیمت	

ملنے کے پتے :۔

مکتبہ نوریہ قادریہ محلہ درس بصیرپور شریف

مکتبہ نظامیہ جامعہ فریدیہ ساہیوال

قرآن محل ساہیوال۔

مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ لاہور

اِنتساب

میں اپنی کتاب کو حضرت قبلہ وکعبہ سیّدی وسندی مرشدی ومولائی فقیہہ اعظم مفتی افخم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے وسیلہ سے حضور تاجدار مدینہ سرورِ قلب وسینہ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حضور پیش کرتا ہوں کیونکہ حضرت قبلہ فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ کی مساعیٔ جمیلہ کے سبب ہی یہ شرف حاصل ہوا۔

نیز دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صدقہ قبلہ فقیہہ اعظم اور میرے وَالدین کے دَرجات کو بلند و بالا فرمائے اور اس کتاب کو نافع عوام و خواص بنائے۔

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

محمد ہاشم علی نُوری بصیر پُوری

مدرس جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف

عرضِ مرتّب

اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور نبیٔ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خصوصی کرم نوازی سے بندۂ ناچیز نے ۱۹۸۹ء میں جامعہ فریدیہ ساہیوال سے تنظیم المدارس شہادۃ العالمیہ (ایم اے عربی و اسلامیات) کا امتحان دیا۔ میرے مربی و محسن مرشدی ومولائی حضرت فاتح عیسائیت پیر ابوالنصر منظور احمد شاہ صاحب مہتمم جامعہ فریدیہ نے اپنے لختِ جگر مفتی محمد مظہر فرید شاہ صاحب نائب مہتمم جامعہ فریدیہ سے مشورہ فرما کر مدینۃ الاولیاء ملتان شریف دورۂ میراث کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ بعد ازاں مجھے حکم ملا کہ میں بصیر پور شریف جا کر عربی گرامر یعنی علم صرف میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے لیے امام الصرف والنحو صوفی محمد ہاشم علی نوری دامت برکاتہم العالیہ سے اکتسابِ فیض کروں چنانچہ بصیر پور شریف پہنچ کر میں نے امام الصرف سے حضرت قبلہ شاہ صاحب کا پیغام دیا جو انہوں نے قبول فرمایا اور خصوصی نظرِ عنایت فرما کر خصوصی وقت عطا کیا۔ اُستادِ محترم نہایت ہی شریف الطبع مخلص اور سرکارِ مدینہ کے سچے عاشق ہیں۔ مَیں نے ایک سال اُستادِ محترم سے اکتسابِ فیض کیا۔ جب میں اُستادِ محترم سے سبق پڑھتا اور دیکھتا کہ انتہائی مشکل صرفی ابحاث اُستادِ محترم امام الصرف اتنی آسانی سے سمجھا دیتے کہ بہت داد دینے کو جی کرتا اس قدر سلیس اور عام فہم اندازِ تدریس دیکھ کر میں نے ارادہ کر لیا کہ اللہ نے چاہا تو میں ضرور اُستادِ محترم کے افادات کو جمع کروں گا تاکہ تمام شائقینِ صرف تک امام الصرف کا پیغام پہنچایا جا سکے پھر مجھے پتہ چلا کہ حضرت امام الصرف نے علم الصرف کی ابتدائی کتاب صرف بہائی کے ابتدائی حصّہ کی ایک شرح لکھی ہے جو چھپ چکی ہے اور بقیہ کا مسوّدہ بغیر طباعت کے پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں نے اس مسوّدہ کو ترتیب دیا۔ الحمدللہ اب مکمل

مسودہ چھپنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے سے شاگردوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ کو بھی فائدہ حاصل ہوگا۔

اس کام میں امام الصرف کی خصوصی شفقت کے ساتھ ساتھ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت العلام الحاج محمد اسد اللہ نوری دامت برکاتہم العالیہ کا خصوصی تعاون حاصل رہا۔

یہ بات بھی شائقینِ علمِ صرف کے لیے بہت بڑی خوشخبری سے کم نہ ہوگی کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ استادِ محترم امام الصرف حضرت علامہ الحاج ابو الاسد محمد ہاشم علی نوری دامت برکاتہم العالیہ کے افادات کا مجموعہ "جامع التصریفات مع جامع التعلیلات" (علمِ صرف کے انسائیکلوپیڈیا) پر کام ہو رہا ہے جس کے تقریباً ساڑھے چار سو صفحات مکمل ہو چکے ہیں ان شاء اللہ وہ کتاب بھی جلد منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُستادِ محترم کو عمرِ خضری نصیب فرمائے اور میرے والدِ محترم مفتی محمد یوسف ہاشمی فریدی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند و بالا فرمائے اور میری والدہ کو صحتِ کاملہ عطا فرمائے نیز زیرِ نظر کتاب جملہ تشنگانِ علمِ صرف کے لیے نافع ثابت ہو۔

وَصَلَّی اللہُ تعالیٰ علیٰ حَبِیْبِہٖ وَآلِہٖ وَاَصحابِہٖ وَسَلَّم

عبدالرزاق فریدی
حال مقیم انگلینڈ

شارحِ کا مختصر تعارف

حافظ عبد الرزاق فریدی

امام الصرف حضرت علامہ مولانا الحاج ابو الاسد محمد ہاشم علی نوری بصیر پوری دامت برکاتہم العالیہ کی ولادت ۱۹۲۸ء کو بمقام سنتو کمدداس نزد حویلی لکھا ہوئی. آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی میاں رحمت علی ہے جو زراعت کے پیشہ سے منسلک تھے آپ نے ناظرہ قرآن شریف اور ابتدائی دینی کتب کھبیا نوالی اپنے نانا جان مولانا سراج دین مرحوم سے پڑھیں۔ ۱۹۴۳ء میں مزید دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر میں داخلہ لیا وہاں حضرت علامہ صوفی باصفا حضرت مولانا خواجہ ابو النور محمد صدیق چشتی علیہ الرحمہ المتوفی ۱۹۶۱ء (والد گرامی حضرت فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ) سے کتب فارسی مثلاً نام حق، پند نامہ، بدائع منظوم، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا، سکندر نامہ برتی، مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ پڑھیں۔

۱۹۴۴ء میں علم صرف کی کتب صرف بہائی میزان الصرف، فقیہہ اعظم پاکستان محدث عرب وعجم حضرت علامہ مفتی ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں اس کے بعد منشعب صرف میر، دستور المبتدی وغیرہ مولانا چراغ الدین دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھیں اور کتب صرف کا تقریری امتحان استاذ العلماء حضرت مولانا فتح محمد صاحب محدث بہاول نگری علیہ الرحمۃ نے لیا جس میں آپ نے امتیازی نمبر حاصل کئے. ۱۹۴۵ء میں زرادی مراح الارواح حضرت علامہ مولانا مفتی غلام رسول صاحب فیصل آبادی سے پڑھیں. پھر یہ دار العلوم شیخ الحدیث فرید پور سے بصیر پور منتقل ہو گیا. درسِ نظامی کی اکثر کتب مثلاً شرح مائۃ عامل ہیئۃ المصلی، شرح جامی، ہدایہ شریف، تفسیر جلالین، مختصر المعانی، شرح عقائد

مشکوٰۃ شریف فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ سے پڑھیں اور دورۂ حدیث شریف بھی آپ ہی سے کیا اور ۲۹، اکتوبر ۱۹۵۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی ۔

دیگر اساتذہ میں حضرت مولانا ابو البقاء محمد حبیب اللہ صاحب نوری برادر حضرت فقیہہ اعظم اور حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری علیہ الرحمۃ بھی ہیں اور اسی سال حضرت فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا اور دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کی تعمیری امور میں دیگر طلباء کے ساتھ بھرپور حصہ لیا ۔

تحریکِ پاکستان میں مقامی سطح پر بھرپور کردار ادا کیا ۔ قیامِ پاکستان کے دن ۱۴، اگست ۱۹۴۷ء ۲۷، رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں حضرت فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ نے پہلا جمعہ پڑھایا اور ان کے خطاب سے قبل آپ نے نعت شریف پڑھی ۔ قیامِ پاکستان کے بعد مدرسہ انوار العلوم ملتان شریف میں علمائے اہلسنت کا عظیم الشان اجتماع ہوا مارچ ۱۹۴۸ء میں جس میں سُنّی کانفرنس کا نام تبدیل کر کے جمعیت علمائے پاکستان رکھا گیا ۔ حضرت غزالئ زماں سیّد احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ ناظمِ اعلیٰ اور غازی کشمیر حضرت علّامہ سیّد ابو الحسنات محمد احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ صدر منتخب ہوئے ۔ جمعیت علمائے پاکستان کے اس تاسیسی اجلاس میں حضرت علّامہ محمد ہاشم علی نوری نے اپنے شیخ حضرت فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ کی معیّت میں شرکت کی ۔

آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں حضرت فاتحِ عیسائیت پیر ابو النصر منظور احمد شاہ صاحب بانی و مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال، مولانا منیر احمد صاحب، مولانا اکبر علی صاحب، مولانا غلام رسول صاحب فاروقی، حکیم محمد یونس، مولانا حافظ محمد شریف پاکپتنی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں ۔

سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۲ء میں ٹینکی والی مسجد دیپال پور

امامت کے ساتھ ساتھ مدرسہ نوریہ کی بنیاد رکھی اور درس نظامی کی تدریس کا آغاز کیا۔ بعدازیں ۱۹۵۳ء میں فتنۂ قادیانیت کے قلع قمع کرنے کے لیے ملک گیر تحریک ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا اور جلسے جلوسوں میں قیادت کی۔ اسی سال آپ کی شادی ہوئی اور حضرت فقیہہ اعظم علیہ الرحمۃ کی سب سے بڑی صاحبزادی آپ کے عقد میں آئیں اس کے بعد ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک ملک کے اطراف واکناف سے جویان علم وصرف ونحو ہزاروں کی تعداد میں اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لیے آپ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں اور آپ سے اکتساب فیض کر کے پاکستان اور دیگر ممالک میں خدمت دین متین میں مصروف ہیں۔ آپ کا انداز اتنا سلیس، عام فہم اور دل نشین ہے کہ صرف ونحو کے پیچیدہ مسائل طلباء آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ آپ اجراء پہ خصوصی توجہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے طلباء کو گردانوں کے یاد کرنے صیغوں کی شناخت مشتقات اور تعلیلات کے سمجھنے میں بڑی آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔

یوں تو آپ کے تلامذہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں ان میں چند کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱. صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری مہتمم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف۔
۲. صاحبزادہ سید محمد ارشد سعید کاظمی شاہ صاحب شیخ الحدیث انوار العلوم ملتان شریف
۳. مفتی عبدالرسول منصور الازہری ریڈیچ (انگلینڈ)
۴. حضرت علامہ مولانا محمد انور القادری شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ لاہور۔
۵. حضرت علامہ مولانا محمد اصغر صاحب مرحوم سابق مدرس جامعہ فریدیہ ساہیوال
۶. مولانا محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ لاہور۔
۷. مولانا عبدالرحمن صاحب نوری مہتمم قادریہ نعیمیہ حویلی لکھا۔
۸. پروفیسر حافظ منظور حسین وائس پرنسپل ڈگری کالج دیپالپور۔

۹. مولانا احمد علی قصوری لاہور۔ ۱۰. مولانا منظور احمد شاعر نوری مرحوم۔
۱۱. خطیب پاکستان علامہ محمد عارف نوری قصوری لاہور۔
۱۲. ڈاکٹر مفتی ضیاء الحبیب صابری لاہور ۱۳. مولانا عطا محمد گولڑوی لاہور۔
۱۴. مفتی محمد امین کریمی صاحب ساہیوال۔
۱۵. حضرت علامہ مولانا غلام نبی ڈوگر بصیر پوری خطیب اعظم ساہیوال۔
۱۶. مولانا مفتی محمد اجمل قادری مہتمم جامعہ نظامیہ عظمت الاسلام عارف والہ
۱۷. مولانا [illegible]یل احمد صاحب قریشی۔
۱۸. حضرت علامہ مولانا الحاج محمد اسد اللہ نوری ناظم تعلیمات حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف۔
۱۹. مولانا محمد فاضل صاحب انگلینڈ۔ ۲۰. مولانا محمد انور حسین مدینہ منورہ سعودی عرب۔
۲۱. مولانا مفتی محمد مراد صاحب کہروڑ پکا۔ ۲۲. مفتی احمد یار سیالوی، گوگمنڈی۔
۲۳. مولانا بشیر احمد ڈوگر شیخوپورہ۔
۲۴. حافظ محمد ظہور اللہ صاحب چشتی مہتمم جامعہ محمدیہ بنات الاسلام لاہور۔
۲۵. مولانا محمد انور صاحب ناظم اعلیٰ جامعہ شمسیہ لاہور۔
۲۶. مولانا رب نواز اویسی وہاڑی۔
۲۷. مولانا محمد وہاج صاحب مہتمم فیض العلوم وہاڑی۔
۲۸. حافظ نذیر احمد نوری گوجرانوالہ۔
۲۹. حافظ محمود احمد نوری میاں چنوں۔
۳۰. مولانا نعمت اللہ اشرفی صاحب مکتبہ قادریہ بصیر پور شریف۔
۳۱. علامہ مولانا حافظ محمد عرفان اللہ صاحب خطیب اتفاق شوگر ملز نور پور پاک پتن شریف۔
۳۲. مولانا محمد انعام اللہ نوری ملتان ۳۳. مولانا محمد حمد اللہ اشرفی مصطفےٰ آباد قصور
۳۴. مولانا نور محمد نوری مہتمم جامعہ قادریہ ڈھولن قصور۔
۳۵. حافظ غلام رسول صاحب پاک پتن۔ ۳۶. مولانا انوار الحسن صاحب پتوکی۔
۳۷. راقم الحروف حافظ عبد الرزاق فریدی خطیب نیوکاسل انگلینڈ۔

دعا ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب کے وسیلۂ پاک سے استادِ محترم مولانا محمد ہاشم علی نوری بصیرپوری کا سایۂ رحمت ہمارے سروں پہ سلامت باکرامت تا قیامت فرمائے اور آپ کے فیوضات کا سلسلہ جاری وساری رکھے۔ (آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین)

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن

تقریظ

صرف ونحو کے امام حضرت علاّمہ مولانا صوفی محمد ہاشم علی صاحب مدظلہ العالی کا شمار پاکستان کے ان اساتذہ میں ہے جن پر فن ناز کرتا ہے ایسے اساتذہ پورے ملک میں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں. وہ دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور شریف کے فضلاء میں سے بھی ہیں اور اس کے قابلِ فخر اساتذہ میں سے بھی ہیں. ان کی زندگی کا بڑا حصّہ علومِ دینیہ کی خدمت کرتے ہوئے اس طرح گزارا کہ نہ ستائش کی تمنّا، نہ صِلہ کی پروا. وہ علماء ربانیین کی اس صف سے تعلّق رکھتے ہیں جن کے دَم قدم سے ملک میں دینِ اسلام کی بہار قائم ہے. انہیں حضرت فقیہہ عصر مولانا محمد نوراللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے نہ صرف علمی اور روحانی فرزند بنایا بلکہ نسبتی فرزند ہونے کا شرف بھی عنایت کیا. ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

حضرت صوفی صاحب مدظلہ العالی نے صرف ونحو کی تدریس پر خصوصی توجّہ فرمائی اور ان علوم میں وہ دسترس حاصل کی جو خال خال ہی کسی استاد کو حاصل ہوتی ہے. دُبلا پتلا جسم، خاموش طبع، مگر علم وفضل کا چلتا پھرتا پیکر ہیں اللہ تعالےٰ صحت وسلامتی کے ساتھ ان کا سایہ تا دیر سلامت رکھے.

حضرت علاّمہ مولانا محمد محب اللہ بصیرپوری مدظلہ العالی شیخ الحدیث و مہتمم جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیرپور، مشہور ادیب وخطیب مولانا علاّمہ محمد منشا تابش قصوری مدظلہ العالی اور سینکڑوں علماء وفضلاء آپ کے شاگرد ہیں.

حضرت نے علمِ صرف کی ابتدائی مگر اہم کتاب "صرفِ بہائی" پر "فضلِ خدائی" کے نام سے حاشیہ لکھا تھا. اس کے بعد کسی دوسرے حاشیہ یا شرح کی

ضرورت نہیں رہ جاتی۔ عرصہ دراز پہلے اس کا کچھ حصہ شائع ہو کر مقبولِ عام وخواص ہوا تھا۔ اب مولانا عبدالرزاق فریدی حفظہ اللہ تعالیٰ کی کوشش سے مکمل حاشیہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس حاشیہ سے طلباء اور اساتذہ کو فیض یاب فرمائے۔ آمین

۱۸؍ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ

۳؍ اگست ۱۹۹۹ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بداں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کتاب کو شروع کرنے کی کئی وجوہات ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضور مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم اللہ فھو ابتر۔

قولہ بداں - صیغۂ امر ہے اس کا معنی ہے "جان لے" اس پر با، زائدہ ہے۔ لغتِ فارسی میں فعل پر با، زائدہ تحسین کلام کے لئے لاتے ہیں۔ اس با کا مابعد حرف اگر مضموم ہو تو یہ با مضموم ہوگی جیسے بگفت، بگو، ورنہ مکسور ہوگی جیسے بداں، ببیں، بشنو۔ اگر با، اسم پر داخل ہو تو یہ ہمیشہ مفتوح ہوگی جیسے بخدا۔

سوال: لفظ بداں لانے کی کیا ضرورت تھی! کلماتِ لغتِ عرب الخ سے ہی ابتدا کیوں نہ کی؟

جواب مصنفین کی یہ عادت ہے کہ جب بہت اہم چیز بیان کرنی ہو تو لفظ بداں یا اِعلَم لاتے ہیں تاکہ مخاطب کی غفلت دور ہو اور اس اہم امر کیطرف متوجہ ہو کر اس کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

سوال بداں کی جگہ بشنو (سن) یا بگو (کہہ) یا ببیں (دیکھ) کیوں نہ لائے؟

جواب اس لئے کہ "بشنو" کا تعلق کان سے ہے اور "بگو" کا تعلق زبان سے ہے اور "ببیں" کا تعلق آنکھ سے ہے اور "بداں" کا تعلق دل سے ہے۔ اور دل کا فعل زبان، آنکھ اور کان کے فعل سے زیادہ قوی اور پائیدار ہوتا ہے۔ کیونکہ جو چیز زبان سے کہی جائے یا کان سے سنی جائے یا آنکھ سے دیکھی جائے مگر اس کے ساتھ جب تک دل کا تعلق نہ ہوگا تو اس کا سمجھنا ہی بہت مشکل ہوگا۔ اور اگر اس کے ساتھ دل کا تعلق بھی ہوگا تو اس کا سمجھنا اور یاد کرنا بہت ہی آسان ہو جائے گا۔

سوال "بشناس" کیوں نہ کہا حالانکہ اس کا تعلق تو دل سے ہوتا ہے؟

جواب (۱) اس لئے کہ کلمہ "بداں" "بشناس" سے خفیف ہے۔ (۲) بشناس کا تعلق صرف امورِ جزئیہ سے ہے اور بداں کا تعلق امورِ جزئیہ کے علاوہ امورِ کلیہ سے بھی ہوتا ہے۔

سوال اِعلَم کیوں نہ کہا؟

جواب اس لئے کہ لفظ بداں فارسی اور اِعلَم لفظ عربی ہے، اور مبتدی چونکہ پہلے فارسی پڑھتا رہا لہذا اس کے لیے فارسی، عربی سے آسان ہے۔ نیز لفظِ بداں سے اس طرف اشارہ کیا کہ اس کتاب میں اگرچہ قواعد عربی زبان کے ہوں گے مگر فارسی زبان میں لکھے جائیں گے۔

قولہ: اسعدک الخ یہاں سعادت سے مراد علم کی دولت ہے جسے حاصل کر کے اس پر عمل کرنا دنیا و آخرت

کہ کلماتِ لغتِ عرب بر سہ قسم است

کی عزت اور سعادت مندی کا سبب اور ذریعۂ نجات ہے۔

سوال اسعدك الله تعالىٰ فى الدارين جملہ دعائیہ عربی میں کیوں لائے؟

جواب یہ دعا ہے اور عربی زبان میں کی گئی دعا، اللہ تعالیٰ جلد قبول فرماتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے محبوبِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ محبوب کی ہر شئے محبوب ہوتی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب اکرم کی زبان محبوب ترین ہے اور تمام زبانوں سے افضل ترین ہے بنا بریں عربی زبان میں کی جانے والی دعا، کو جلد قبول فرماتا ہے، لہذا جملۂ دعائیہ عربی زبان میں لائے۔

سوال اسعدك صیغۂ ماضی طلبِ خیر کے لئے ہے اور طلبِ خیر زمانۂ ماضی میں محالِ عقلی ہے؟

جواب اگرچہ یہ ماضی کا صیغہ ہے مگر بمعنے مستقبل ہے۔

سوال ماضی بمعنے مستقبل کیوں؟ **جواب**: مقامِ دعا میں ماضی بمعنے مستقبل ہوتی ہے۔

سوال جب یہاں ماضی بمعنی مستقبل مقصود ہے تو صیغۂ ماضی لانے کی بجائے صیغۂ مستقبل کیوں نہ لائے؟

جواب اختصار اور نیک فال کے لئے صیغۂ ماضی لائے تاکہ باعتبار صورت وشکل کے صیغۂ ماضی دلالت کرے کہ گویا دعا قبول ہو چکی ہے اور ماضی کی طرح متحقق الوقوع ہے اور مبتدی دعا، کی مقبولیت کے تصور سے مسرور القلب ہو کر علم حاصل کرنے میں ذوق وشوق سے مشغول ہو جائے۔

سوال اسعدك الله تعالىٰ میں "تعالیٰ" جملہ فعلیہ بحکم نکرہ میں ہے لہذا کلمہ اللہ کی صفت جو معرفہ ہے واقع نہیں ہو سکتی!

جواب (۱) اگرچہ جملہ فعلیہ باعتبار ہیأتِ ترکیبی کے مطلقاً مفیدِ ترکیب نہیں ہے مگر جب تعالیٰ سے اس جگہ علوِ حقیقی مراد ہے جو واجب تعالیٰ سے مخصوص ہے تو یہ ترکیب خاص باعتبار مادہ کے مفیدِ ترکیب ہے (جواب ۲) لفظ "تعالیٰ" اس جگہ حال ہے اور لفظِ "قد" جو ماضی مثبت کے حال ہونے کے لوازم سے ہے، مقدر ہے۔

سوال اسعدك الله میں اَسْعَدَ فعل اور کاف ضمیر مفعول اور کلمہ اللہ فاعل ہے حالانکہ فاعل کا حق یہ ہے کہ مفعول سے مقدم ہوتا ہے یہاں لفظ اللہ کو مقدم کیوں نہ کیا؟

جواب قاعدہ یہ ہے کہ جب مفعول ضمیر متصل ہو اور فاعل مظہر ہو جیسے نَصَرَكَ اللهُ تو اس صورت میں مفعول کا فاعل پر مقدم ہونا لازمی ہے کیونکہ اگر فاعل مقدم ہو تو مفعول، ضمیر متصل نہیں ہو سکتی۔

قولہ الدارین۔ دار کا تثنیہ ہے، اصل میں دَوَرٌ تھا واؤ کو الف کیا "دَارٌ" ہوا۔ اس کا معنے پھر پھر آنا، گھر کو دار اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی انسان پھر پھر کر آتا ہے اور یہاں دارین سے مراد دارِ دنیا و دارِ آخرت ہے۔

قولہ کلمات الخ کلمات کلمہ کی جمع ہے، اور کلمہ عند الجمہور کَلْمٌ سے لیا گیا ہے اس کا لغوی معنی ہے زخمی کرنا اور اصطلاح میں کلمہ ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو معنی مفرد کے لئے وضع کیا گیا ہو اس تقسیم سے علم صرف کے موضوع کیطرف اشارہ ہے جس کا شارح پر

جاننا ضروری ہے۔

سوال کلمہ کو کلمہ کیوں کہتے ہیں، لغوی معنی کے ساتھ اس کی کیا مناسبت ہے؟

جواب اس لئے کہ بعض کلمات کا اثر وجود میں اس طرح ہوتا ہے جسطرح زخم ہونے سے درد کا اثر ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے جراحة اللسان اصعب من جراحة السنان (ترجمہ) زبان یعنی کلام کا زخم تلوار نیزے کے زخم سے زیادہ سخت ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ تلوار اور نیزے کا زخم مٹ جاتا ہے مگر کلام کا زخم جو دل پر لگا ہو وہ نہیں مٹتا۔

سوال کلمات کہا الفاظ کیوں نہ کہا؟ **جواب** اس لئے کہ الفاظ مہمل بھی ہوتے ہیں اور کلمات موضوع ہی ہوتے ہیں۔

قولہ لغت - اصل میں لُغَوٌ یا لُغَیٌ تھا واؤ یا یاء متحرک ماقبل مفتوح واؤ یا یاء الف ہو کر التقائے تنوین سے گری اور اس کے عوض آخر میں تاء لائے لُغَۃٌ ہوا، تائے عوض ہمیشہ ایسے حروف کے عوض لاتے ہیں جو التقائے تنوین کے بغیر حذف ہوا ہو جیسے عِدَۃٌ و اِقَامَۃٌ مگر لُغَۃٌ اور مِائَۃٌ یہ دو ایسے کلمے ہیں جن میں واؤ الف ہو کر التقائے تنوین سے گری اور آخر میں تاء عوض لاتے ہیں۔ لغت کا معنی ہے بولی، یعنی ایسی آوازیں کہ جن کے ذریعہ ہر قوم اپنے اغراض و مقاصد بیان کرے، اور اصطلاح میں لغت وہ علم ہے جس سے کسی زبان کے مفردات کے معنی وضعی اور طریقہ استعمال اور مفرد کی جمع اور جمع کا مفرد معلوم ہو۔

قولہ عَرَب یا عُرب - یہ ایک ایسے مقدس ملک کا نام ہے جس میں نبی پیارے شافع محشر سید الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پیدا ہوئے اور تشریف فرما ہیں۔

قولہ اصطلاح - لغت میں اس کا معنیٰ جمع ہونا چنانچہ کہا جاتا ہے اِصْطَلَحَ الْمَاءُ جمع ہوا پانی، اور اصطلاحی معنی اس کا قوم کا امر مخصوص پر متفق ہو جاتا ہے۔

قولہ معنے - یہ مصدر ہے یا اسم ظرف ہے عنٰی یَعْنِیْ سے، در اصل مَعْنَیٌ تھا، یاء کو الف کیا "مَعْنًی" ہوا - یا اسم مفعول ہے در اصل مَعْنُوْیٌ تھا بروزن مفعول، واؤ کو یاء کر کے یاء کو یاء میں ادغام کیا اور عین کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا، مَعْنِیٌّ ہوا، بطور تخفیف ایک یاء کو حذف کیا مَعْنِیْ ہوا۔ بعدہ جب اس کا استعمال فارسی، اردو اور پنجابی میں ہوا تو تماشا اور تماشے کے قاعدے سے کسرہ کو فتح سے بدل دیا "مَعنیٰ" ہوا، مگر عربی لغت کے قواعد سے معنی اسم مفعول نہیں ہو سکتا۔ اگر اسم مفعول ہے تو اس کا لغوی معنی مقصود ہے، اگر مصدر ہے تو یہ اسم مفعول کے معنی سے ہے، اور اگر اسم ظرف ہے تو معنی مقصد ہے، اور اصطلاح میں وہ چیز جو کسی لفظ وغیرہ سے مراد اور مقصود ہو جیسے لفظ زید، اس سے مراد حیوانِ ناطق مع التشخص ہے، اور لفظ حلوہ سے وہ مخصوص شئے مقصود ہے جو نرم اور میٹھی ہے۔

تعریف کا لغوی معنی علامت ہے اور اصطلاح میں وہ چیز ہے جس کے ذریعہ کوئی چیز پہچانی جائے۔

سوال کلماتِ عرب کہنے کی کیا ضرورت تھی حالانکہ ہر زبان کے کلمات کی تین قسمیں ہوتی ہیں؟

جواب کلماتِ عرب سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس کتاب میں صرف کلماتِ عرب سے بحث ہوگی۔

قولہ بر سہ قسم است - ان تین قسموں کو سہ اقسام بھی کہتے ہیں۔ قسم کا لغوی معنی حصہ ہے یا شئے مقسوم کی جزء، قسم کو صنف اور

اسم است و فعل است

مترادف باعتبار لغت کے متصادق ہیں یعنی ہم معنی ہیں اور ایک دوسرے پر صادق آتے ہیں اور باعتبار اصطلاح کے متفارق ہیں یعنی الگ ہیں۔

سوال کلمہ کی تقسیم تین اقسام میں منحصر کیوں ہے ؟
جواب ۱۔ اس لئے کہ کلمہ مستقل معنیٰ پر دلالت کریگا یا نہیں، اگر نہ کرے تو حرف، اور اگر کرے گا تو اس میں زمانہ ہوگا یا نہیں اگر ہے تو فعل ورنہ اسم ہے۔ ۲۔ اس لئے کہ کلمات معنی پر دلالت کرتے ہیں اور معنی تین حال سے خالی نہیں، یا ذات ہے یا صفت یا ذات اور صفت کے درمیان رابطہ ہے۔ اگر ذات ہے تو اسم، اگر صفت ہے تو فعل اور اگر رابطہ ہے تو وہ حرف ہوگا۔
قولہ اسم است ۔ اسم کا لغوی معنٰے نام ہے۔ بصریوں کے نزدیک اس کا اصل سِمْوٌ تھا بمعنٰے بلندی سَمَا یَسْمُوْ سے، واو پر ضمہ ثقیل تھا، گرا، واو بھی التقائے تنوین سے گری، اس واو کے عوض اول میں ہمزہ لائے اور سین کا کسرہ نقل کرکے ہمزہ کو دیا اور میم پر اعراب جاری ہوا اِسْمٌ بروزن اِفْعٌ ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک اس کا اصل وِسْمٌ تھا بمعنے علامت اور داغ کرنا، واو ہمزہ ہوئی اِسْمٌ بروزن اِفْعِلٌ ہوا بعد میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو وصلی کا حکم دیا گیا۔

سوال اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں ؟
جواب ۔ اسم کو اگر سِمْوٌ سے لیا جائے تو پھر اس کو اسم اس لئے کہتے ہیں کہ اپنے دو قسم فعل اور حرف سے مرتبہ میں بلند ہے کیونکہ اسم مسند الیہ و مسند ہو سکتا ہے اور فعل مسند ہوتا ہے، مسند الیہ نہیں ہوتا اور حرف نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ، اور اگر وِسْمٌ سے ہے بمعنی علامت تو پھر اسے اسم اس لئے کہتے ہیں کہ اسم اپنے مسمّٰی کی علامت ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اسم وہ کلمہ ہے جو کسی کلمہ کے ملائے بغیر اپنے معنیٰ پر دلالت کرے اور تینوں زمانوں سے کوئی زمانہ اس میں نہ ہو باعتبار وضع اور ہیئت کے جیسے رَجُلٌ، عِلْمٌ ۔ اسم کی علامت یہ ہے کہ اس کے اول میں الف لام ہو جیسے اَلْحَمْدُ یا اول میں حرف جر ہو جیسے لِلّٰہِ یا آخر میں تنوین ہو جیسے مُحَمَّدٌ یا مسند الیہ ہو جیسے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ یا مضاف ہو جیسے مُحِبُّ اللّٰہِ یا مصغر ہو جیسے حُسَیْنٌ یا منسوب ہو جیسے مَدَنِیٌّ و نُوْدِیٌّ یا تثنیہ جیسے عَالِمَانِ یا جمع ہو جیسے عَالِمُوْنَ یا موصوف ہو جیسے رَجُلٌ عَالِمٌ یا آخر میں یائے متحرکہ ہو جو بوقتِ وقف ہاء ہو جائے جیسے فَاطِمَۃٌ ۔
قولہ فعل است ۔ فِعْل اسم مصدر ہے اور فَعْل مصدر ہے۔ اس کا معنٰی ہے کام، اور اصطلاح میں فعل وہ کلمہ ہے جو کسی کلمہ ملائے بغیر اپنے معنٰی پر دلالت کرے اور تین زمانوں سے اسمیں کوئی سا زمانہ ہو باعتبار وضع اور ہیئت کے جیسے نَصَرَ یَنْصُرُ۔

سوال ۔ فعل اصطلاحی کو فعل کیوں کہا جاتا ہے ؟
جواب ۔ اس لئے کہ اصطلاحی فعل، لغوی فعل کو اپنے ضمن میں لینے والا ہے یعنی حدث اور معنے مصدری کو۔
سوال ۔ اسم کو فعل اور حرف سے مقدم کیوں کیا ؟

وحرف است اسم چوں رَجُلٌ و عِلْمٌ و فعل چوں ضَرَبَ و دَحْرَجَ و حرف چوں مِنْ و اِلٰی و اسم بر سہ قسم است

جواب اس لئے کہ اسم مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے، فعل مسند ہوتا ہے مسند الیہ نہیں ہوتا اور حرف نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ فقیر نوری کہتا ہے کہ یہ کتاب علم صرف کی ہے اور علم صرف کا تعلق تصریف سے ہے اور تصریف فعل میں اسم سے زیادہ ہے اور حرف میں تصریف ہوتی ہی نہیں لہذا یہاں فعل کو اسم پر اور اسم کو حرف پر مقدم ہونا چاہیے تھا۔

قولہ وحرف است الخ حرف کا لغوی معنی ہے "کنارہ" کہا جاتا ہے جَلَسْتُ عَلٰی حَرْفِ الْوَادِیْ "میں وادی کے کنارے پر بیٹھا"، اور اصطلاح میں حرف وہ کلمہ ہے جو کسی اور کلمہ ملائے بغیر اپنے معنی پر دلالت نہ کرے اور تین زمانوں میں ایک زمانہ نہ پایا جا

سوال حرف کو حرف کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ کلام میں طرف اور کنارہ پر ہوتا ہے یعنی نہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند، نیز یہ زمانہ سے طرف پر ہے کہ اس میں زمانہ نہیں ہوتا، نیز اس لئے کہ اس میں تصریف نہیں یہ تصریف سے طرف اور کنارہ پر ہے۔

قولہ اسم چوں رجل الخ **سوال**۔ اسم، فعل اور حرف کی دو دو مثالیں کیوں ہیں؟

جواب ۱ چونکہ کسی چیز کے ثبوت کے لئے شرع میں دو شاہد ہوتے ہیں لہذا دو دو مثالیں ذکر کی گئیں۔

۲ اسم کی دو مثالیں اس لئے ہیں کہ اسم دو قسم پر ہے، مصدر اور جامد، رَجُلٌ (آدمی) اسم جامد کی مثال ہے اور عِلْمٌ (جاننا) مصدر کی مثال ہے، اور فعل کی بھی دو قسمیں ثلاثی و رباعی ہیں، ضَرَبَ (مارا اس نے) مثال ثلاثی ہے اور دَحْرَجَ مثال رباعی ہے۔ اور حرف کی دو مثالیں اس لئے ہیں کہ ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء ہوتی ہے لہذا مِنْ ابتداء کیلئے اور اِلٰی انتہاء کیلئے ہے۔

قولہ اسم بر سہ قسم است۔ یہاں اسم سے مراد اسم جامد متمکن ہے کیونکہ مشتق اور مصدر فعل کی طرح ثلاثی و رباعی ہی ہوتے ہیں خماسی نہیں ہوتے، خماسی صرف اسم جامد ہی ہوتا ہے بلکہ اسم کی تقسیم پہلے یوں ہونی چاہیے تھی کہ اسم متمکن تین قسم پر ہے مصدر، مشتق اور جامد۔ ۱۔ مصدر وہ اسم ہے جس سے فعل وغیرہ بنایا جائے اور اردو یا پنجابی میں اس کا معنی کرنے سے آخر میں "نا" یا "نی" آئے جیسے اَلْحَمْدُ (تعریف کرنا) اَلنَّصْرُ (مدد کرنی)۔ ۲۔ مشتق وہ اسم ہے جو فعل سے بنایا گیا ہو جیسے احمد، حامد۔ ۳۔ اسم جامد وہ اسم ہے جو نہ مصدر ہو نہ مشتق جیسے فَرَسٌ، پھر اسم جامد کی تین قسمیں ہیں ثلاثی، رباعی، خماسی۔

سوال اسم جامد کی تین اقسام کیوں ہیں؟ کم و بیش کیوں نہیں؟

جواب ۱: تتبع اور تلاش کے بعد معلوم ہوا ہے کہ کلام عرب میں اسم متمکن کا کوئی کلمہ تین حروف سے کم اور پانچ حروف سے زائد کا نہیں ہے۔ **۲** زیادتی کی صورت میں ثقل لازم آتا ہے کیونکہ اسم متمکن اور فعل کے ہر کلمہ میں اصل یہ ہے کہ اس میں کم از کم تین حروف ہوں، ایک ایسا حرف جس سے ابتداء ہو اور ایک ایسا حرف جس پر وقف کیا جائے اور ایک ایسا حرف جو مبتدا بہ اور موقوف علیہ کے درمیان واسطہ ہو کیونکہ مبتدا بہ حرف کا متحرک ہونا اور موقوف علیہ کا ساکن ہونا ضروری ہے

ثلاثی و رباعی و خماسی ثلاثی سہ حرفی را گویند چوں زَیْدٌ و رباعی چہار حرفی را گویند چوں جَعْفَرٌ و خماسی پنج حرفی را گویند چوں سَفَرْجَلٌ

پھر جب یہ دونوں ایک دوسرے سے صفت میں متضاد اور متنافی ہیں اور ان کا جمع کرنا پسندیدہ نہیں ہے لہذا ان دونوں کے درمیان ایک ایسا حرف ہونا چاہیے جو ان دونوں کے درمیان فاصل ہو۔

سوال اسم اُحادی (ایک حرف والا) اور ثنائی (دو حرف والا) بھی ہوتا ہے ان دو قسموں کو تقسیم میں شامل نہیں کیا گیا ؟

جواب اس لئے کہ احادی، ثنائی اسم غیر متمکن ہیں اور یہ تقسیم اسم متمکن کی ہے ۔

قولہ ثلاثی سہ حرفی الخ ثلاثی کا لغوی معنی ہے تین والا ، اور اصطلاحِ اہلِ صرف میں وہ کلمہ ہے جس میں تین حرف اصلی ہوں، خواہ تمام اصلی ہوں جیسے رَجُلٌ یا زائد بھی ہوں جیسے ظَالِمٌ ۔ ثلاثی، رباعی، خماسی کی تعریف میں حروفِ اصلیہ کی قید ضروری تھی ورنہ ان کے ذکر کرنے کا جو بیان مقصود تھا فوت ہو جاتا ہے ۔ جعفر بمعنی نہر صغیر یا کبیر، لغاتِ اضداد سے ہے نیز اس کا معنی ناقہ فربہ اور مرد کا نام ہے اور جعفر بمعنے خربوزہ وگدھا لغت کی معتبر کتابوں سے نہیں مل سکا ۔

سوال لفظِ ثلاثی ثلاثۃ (تین) کیطرف منسوب ہے یا ثلاث (تین تین) کیطرف منسوب ہے اسی طرح رباعی، خماسی بھی ؟

جواب ان تینوں الفاظ کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ لفظِ ثلاثی بضم اول، ثلاثہ (تین) بفتح اول اور رباعی اربعہ (چار) اور خماسی خمسہ (پانچ) کیطرف منسوب ہے ، یعنی ثلاثہ کے آخر سے تاء کو حذف کرکے آخر میں یاءِ نسبت مشدد لگانے سے ثلاثیٌ (تین والا) بفتح اول ہوا جس طرح کہ قیاس ہے ۔ پھر فارسی ، اردو اور پنجابی زبان میں ایک یاء کو حذف کرتے ہیں، ثلاثی بسکونِ یاء ہوا ۔ لہذا ثلاثی بضم اول غلط مشہور ہوا یہاں تک کہ اَلْغَلَطُ الْمَشْهُوْرُ اَفْصَحُ مِنَ الصَّحِيْحِ کے مطابق فصیح ہو کر مستعمل ہوا اور بفتح اول نسیاً منسیا ہو گیا ۔ اس صورت میں بضم اول غیر قیاسی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ منسوب کرتے وقت پہلے حرف کو ضمہ قیاساً دیا گیا ہے کیونکہ کلمہ کے آخر میں یائے نسبت لاحق کرتے وقت اکثر ایسی تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں مثلاً مَدِیْنَہ سے مَدَنِیٌّ، حنیفہ سے حَنَفِیٌّ ، رَے سے رَازِیٌّ مستعمل ہے۔ بعض کہتے ہیں ثلاثی ثلاث بضم اول کیطرف منسوب ہے ، آخر میں یاءِ نسبت لگانے سے ثُلاثِیٌّ (تین تین والا) ہوا یعنی ثلاثی ایسے تمام الفاظ کیطرف منسوب ہے جن کا ہر ایک کلمہ تین تین حروف اصلی رکھتا ہو جیسے رَجُلٌ حَامِدٌ مَحْمُوْدٌ ان میں ہر ایک کلمہ ثلاثی (تین تین والا) ہے کیونکہ یہ تمام کلمات ایسے ہیں کہ ان میں تین تین حروف اصلی ہیں ، اور رجل کو ثلاثی یہ کیونکہ یہ بھی ان تمام الفاظ میں سے ہے جن میں ہر ایک تین تین حروف والا ہے مگر اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے ثلاثی رجل پر جو کہ تین حرف رکھتا ہے ، صادق نہیں آتا ۔

و فعل بر دو قسم است ثلاثی و رباعی ثلاثی چوں ضَرَبَ و رباعی چوں دَحْرَجَ ۔ بدانکه میزانِ کلامِ عرب فا و عین و لام است چوں جمع کنی فعل شود ۔

حضرت استاذ العلماء تاج الاولیاء قطب الاقطاب محدث و مفتیٔ اعظم فقیہِ اعظم الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی دامت برکاتہم العالیہ نے اس کی مناسبت یوں بیان فرمائی ہے کہ چونکہ ثلاثی کا ثلاثی ہونا ایسے وزن کا محتاج ہے جو تین حروفِ اصلی رکھتا ہو اس لئے اس کلمہ کو اس کے اپنے ذاتی حروف اور اس کے وزن کے حروف کی طرف نسبت کر کے ثلاثی تین تین والا کہتے ہیں گویا اس کے وزن کے حروف بوجہ محتاج الیہ ہونے کے اس کلمہ کے ہی عرضی حروف ہوئے ۔

قولہ فعل بر دو قسم است ۔ **سوال** فعل خماسی کیوں نہیں ہے ؟

جواب ۱ فعل ثقیل ہے کیونکہ فعل حدث پر دلالت کرتا ہے ، نیز فاعل اور زمانہ کی طرف نسبت کا محتاج ہے لهذا اگر فعل خماسی بھی ہوتا تو اس میں لفظاً اور معنیً ثقل لازم آتا ۔ **۲** فعل کے ساتھ علامتِ مضارع وغیرہ اور ضمیر مرفوع متصل (جو کہ کلمہ کے جزء کے حکم میں ہے) لاحق ہونے سے چونکہ فعل میں پہلے ہی ثقل موجود ہے اور اگر فعل خماسی بھی ہوتا تو ثقل پر ثقل لازم آتا البتہ فعل سداسی کی ایک مثال حَجْلَنْجَعَ ہے اور یہ شاذ ہے ۔

سوال حرف کی تقسیم کیوں نہیں کی گئی حالانکہ حرف احادی جیسے ہمزۂ استفهام ، ثنائی جیسے مِنْ ، ثلاثی جیسے لَیْتَ ، رباعی جیسے لَعَلَّ اور خماسی جیسے لٰکِنَّ آتا ہے ؟

جواب چونکہ حروفِ معانی جو کہ کلمہ کی قسم ہیں یہاں ان کا ذکر کرنا مقصود نہیں کیونکہ صرفی ایسے کلمہ کی بحث کرتے ہیں جو فعل متصرف اور اسم متمکن ہو اور حرف میں تصرف نہیں ہوتا ، اسی طرح اسم غیر متمکن کو بھی اسی لئے ترک کیا گیا ہے ۔

(فائدہ) کبھی ثلاثی سے مراد مطلقاً سہ حرفی کلمہ ہوتا ہے اور اسی طرح رباعی اور خماسی سے مراد مطلقاً چار حرفی اور پانچ حرفی کلمہ مراد ہوتا ہے خواہ تمام اصلی ہوں یا بعض حرف اصلی ہوں اور بعض زائد ہوں ، اسم متمکن ہو یا غیر متمکن ، فعل متصرف ہو یا غیر متصرف ، خواہ حرف ہو جیسے اَکْرَمَ اور دَحْرَجَ رباعی ہیں اور اِجْتَنَبَ یَجْتَنِبُ خماسی ہیں ۔

قولہ بدانکہ میزانِ کلامِ عرب الخ میزان اصل میں مِوْزَانٌ تھا واؤ کو یا کیا ، میزان ہوا ۔ میزان لغت میں وزن کرنے کا آلہ یعنی ترازو کو کہتے ہیں اور اہلِ صرف کی اصطلاح میں میزان سے وہ حروف مراد ہیں جن سے کلماتِ عرب کا موازنہ اور مقابلہ کیا جائے تاکہ اصلی اور زائد حروف کے درمیان امتیاز ہو جائے ، اسی کو موزون بہ بھی کہتے ہیں یعنی جن سے وزن کیا گیا ۔ اور عرب میں میزان اور موزون بہ کو وزن بھی کہتے ہیں اور جس کلمہ کے حروف کو فاء ، عین اور لام کے مقابلہ میں لائیں گے اس کو موزون کہتے ہیں یعنی وزن کیا گیا جیسے نَصَرَ بر وزن فَعَلَ میں نَصَرَ کو موزون اور فَعَلَ کو اس کا میزان یا موزون بہ یا وزن کہیں گے اور کلمہ کے حروف کو فاء ، عین ، لام کے مقابل کرنے کو وزن کہتے ہیں ۔

وزن تین قسم پر ہے وزنِ صرفی وزنِ صوری وزنِ عروضی ۔

وزنِ صرفی وہ وزن ہے کہ جس میں حروفِ اصلیہ و زائدہ اور حرکاتِ خصوصیہ و سکنات کی موافقت ہو جیسے عَوَارِفُ

بروزن فَواعِلُ اور اسے وزنِ تصریفی بھی کہتے ہیں۔

وزنِ صوری، وہ وزن ہے جس میں حرکاتِ خصوصیہ و سکنات کی موافقت ہو اگرچہ حروفِ اصلیہ و زائدہ کی موافقت نہ ہو جیسے عَوَارِفُ بروزن فَوَاعِلُ و اَفَاعِلُ و مَفَاعِلُ۔

وزنِ عروضی وہ وزن ہے جس میں حرکات و سکنات کی موافقت ہو اگرچہ حروفِ اصلیہ و زائدہ اور حرکاتِ خصوصیہ کی موافقت نہ ہو جیسے عَوَارِفُ بروزن مَفَاعِلُ و اِفَاعِلُ۔

(فائدہ) وزنِ صرفی، وزنِ صوری، وزنِ عروضی کے درمیان فرق یہ ہے کہ وزنِ صرفی کی اپنے موزون سے پانچ چیزوں میں موافقت ضروری ہے (۱) حرکات و سکنات میں یعنی متحرک متحرک کے مقابل اور ساکن ساکن کے مقابل ہو جیسے اَحْمَدُ بروزن اَفْعَلُ۔ (۲) حرکاتِ خصوصیہ میں یعنی فتحہ فتحہ کے مقابل اور ضمہ ضمہ کے مقابل اور کسرہ کسرہ کے مقابل ہو (۳) حروفِ اصلیہ و زائدہ میں یعنی حرفِ اصلی اصلی کے مقابل اور حرفِ زائدہ زائدہ کے مقابل ہو۔ (۴) محذوف میں یعنی جو حرف موزون میں حذف کیا گیا ہو اس کے مقابل وزن میں حذف کریں گے جیسے یَعِدُ بروزن یَعِلُ، دراصل یَوْعِدُ بروزن یَفْعِلُ تھا، واؤ گری یَعِدُ ہوا اور یَفْعِلُ میں فا جو واؤ کے مقابلہ میں تھی گری یَعِلُ ہوا۔ (۵) مقلوب میں یعنی قلبِ مکانی سے جو حرف موزون میں جس جگہ ہو وزن میں بھی اس کے مقابل حرف کو اسی جگہ لائیں گے جیسے آبار جمع بِئْر (کنواں)، دراصل اَبْئَار بروزن اَفْعَال تھا، ہمزہ کو جو عین کے مقابلہ میں ہے اس کو با کی جگہ جو فا کے مقابلہ میں ہے لے گئے اور با کو عین کی جگہ لائے تو اَءْبَارٌ بروزن اَعْفَال ہوا دوسرے ہمزہ کو بقاعدہ آمن، الف سے بدل کیا آبارٌ ہوا۔ نیز وزنِ صرفی افعال اور اسمائے متمکنہ کے علاوہ اسمائے غیر متمکنہ اور حروف کا نہیں ہوگا کیونکہ صرفی افعال اور اسمائے متمکنہ سے بحث کرتے ہیں، اسماءِ غیر متمکنہ اور حروف سے ان کا تعلق نہیں۔ نیز وزنِ صرفی کے لئے وحدتِ کلمہ شرط ہے یعنی جن حروف کا وزن کرنا ہے وہ ایک ہی کلمہ کے حروف ہوں۔

وزنِ صوری میں وزن موزون کے درمیان دو چیزوں کی موافقت ضروری ہے۔ (۱) حرکات و سکنات میں یعنی متحرک کے مقابل اور ساکن ساکن کے مقابل۔ (۲) حرکاتِ خصوصیہ میں یعنی فتحہ کا فتحہ کے مقابل اور ضمہ کا ضمہ کے مقابل اور کسرہ کا کسرہ کے مقابل ہونا ضروری ہے۔ وزنِ صوری میں حروف اصلی زائدہ اور مقلوب و محذوف کی موافقت ضروری نہیں ہے جیسے اَحْمَدُ بروزن فَعْلَلُ، مَفْعَلُ، تَفْعَلُ وغیرہ، یَعِدُ بروزن فَعِلُ آبَارٌ بروزن اَفْعَالٌ، فَعْلَالٌ، فَعْلَاءُ۔ نیز وزنِ صوری میں وحدتِ کلمہ شرط نہیں یعنی جن حروف کا وزن کرنا ہے وہ ایک ہی کلمہ کے حروف ہوں جیسے عَوَارِفُ بروزن فَوَاعِل، یا دو کلمہ کے حروف ہوں جیسے فِيهَا، وَهِيَ بروزن فَعِلَ، یا تین کلمہ کے حروف ہوں جیسے وَلْيَنْصُرْ امر میں سے وَلِيَ بروزن فَعِلَ۔

وزنِ عروضی میں وزن موزون کے درمیان دو چیزوں کی موافقت ضروری ہے، وزنِ عروضی میں حرکاتِ خصوصیہ اور حرفِ اصلی زائدہ اور محذوف و مقلوب کی موافقت ضروری نہیں جیسے اَحْمَدُ بروزن تَفْعِيلُ، اَفْعِلُ، مُفْعِلُ وغیرہ بھی وزن ہو سکتے ہیں۔ یَعِدُ بروزن فُعُلُ، آبَارٌ بروزن اُفْعَال، فُعْلَال، مُفْعَال وغیرہ وزن ہو سکتے ہیں۔

(۲) ملفوظا میں یعنی جو حروف تلفظ یعنی بولنے میں ہوں ان کی موافقت ضروری ہے اگرچہ کتابت یعنی لکھنے میں نہ ہوں جیسے قاضٍ بروزن فاعل، اور جو کتابت میں ہوں مگر تلفظ میں نہ ہوں ان کا وزن میں اعتبار و شمار نہیں اور وزن میں [illegible] کر بھی شمار نہیں۔ دو کلمے کے حروف ہوں جیسے قِہِ وَعِیْ بروزن اُفْلُ یا ایک کلمہ کے حروف ہوں جیسے اَبُو الْحَسَن بروزن مفاعیل، ابوالحسن اَبُلْحَسَن کا وزن ہوگا جو کہ تلفظ میں آتے ہیں واو اور الف کا وزن نہیں ہوگا اگرچہ کتابت میں ہیں مگر تلفظ میں نہیں ہیں۔

سوال کلمات کی میزان کے لئے فا، عین، و لام کو کیوں اختیار کیا گیا، نیز اس سے کم و بیش کیوں نہیں؟

جواب چونکہ مخارج کے لحاظ حروف تین قسم پر ہیں۔ حروفِ شفتی یعنی وہ حروف جو ہونٹ سے نکلتے ہیں اور وہ چار ہیں ب ف م و، حروفِ حلقی یعنی جو حروف حلق سے نکلتے ہیں اور وہ چھ ہیں ع غ ح خ ء ہ، حروفِ حلقی شش اند (ہمزہ، ہا، و حا و خاء، عین و غین)۔ حروفِ وسطی وہ حروف ہیں جو منہ سے نکلتے ہیں۔ حروفِ شفتی اور حروفِ حلقی کے علاوہ تمام حروف وسطی ہیں لہذا ہر قسم سے ایک کو مخصوص کیا حروفِ شفتیہ سے فا، اور حروفِ وسطیہ لام اور حروفِ حلقیہ عین کو اختیار کیا۔

سوال حروفِ شفتیہ سے فا کو، اور حروفِ وسطیہ سے لام کو اور حروفِ حلقیہ سے عین کو کیوں خاص کیا، ان حروف کو مخارج کے اعتبار سے کیوں نہ لیا؟

جوابِ ۱ اس لئے کہ فا عین لام کی میزان اور ترتیب سے مقصود عام معنیٰ ہے جو تمام جگہ ہر فعل قولی اور فعلی میں پایا جائے اور وہ عام معنی حاصل نہیں ہو سکتا مگر انہیں حروف اور اسی ترتیب سے، کیونکہ ان حروف کی ترتیب کے چھ احتمال ہیں۔ (۱) دو صورت توسیط العین یعنی عین کو درمیان لانا جیسے فَعَلَ (کام)، لَعَفَ (مہمل)، دو صورت توسیط الفاء جیسے عَفَلَ (مرض زبان)، لَفَعَ (چادر کمبل)، دو صورت توسیط اللام مثل فَلَعَ ( )، عَلَفَ (گھاس)۔ ان احتمالات سے ایک صورت مہمل ہے باقی بامعنی ہیں۔ چونکہ میزان موزون سے عام ہوتا ہے اور مذکورہ صورتوں میں سے فعل کا مفہوم اور معنی عام ہے اور باقی کا خاص، اور اس کا استعمال ہر جگہ صحیح ہے مثلاً فعل العلم فعل العمل کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ای مزکون۔

۲: اس لئے کہ علم صرف میں اہم غرض معرفتِ حروفِ اصلیہ و زائدہ اور معرفتِ تغیرات ہے جو کہ اختلاف حرکات و سکنات اور تغیرات کے ذریعہ الفاظ میں ظاہر ہوتی ہے اور اس معنیٰ کا ظہور زیادہ تر فعل میں ہے یا ایسے اسماء میں جو صفتِ اشتقاق میں فعل سے متصل ہیں جیسے اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ وغیرہ، کیونکہ مادہ مشترک ان تمام میں موجود ہے اور اسم صریح یعنی اسم جامد میں تغیر اقل ہے۔ چونکہ مادہ ف ع ل کا لفظِ فعل کے مطابق ہے لہذا فا، عین، لام کو وزن کے لئے خاص کیا گیا۔ نیز فعل میں کثرتِ تعریف کی وجہ سے فعل کے حروف کو خاص کیا گیا۔

۳: اس لئے کہ حروفِ شفتی اور وسطی خفیف ہیں اور حلقی ثقیل اور ترازو کے دونوں خفیف، اور شاہین ثقیل ہوتا ہے لہذا شفتی وسطی کو دونوں طرف اور حلقی کو درمیان ہونا چاہئے۔

وحرف بر دو قسم است حرف اصلی و حرف زائدہ

سوال نام ل کو میزان کے لئے کیوں منتخب کیا حالانکہ ان تینوں بھی حروف شفتی، وسطی، حلقی ہیں اور اس ترتیب اور مجموعہ کا مفہوم اور معنی بھی عام ہے؟

جواب عمل کا معنی ہر جگہ ہر فعل قولی اور فعلی پر مطابق نہیں آتا کیونکہ یہ افعال جوارح سب ہے اور افعال قلوب اور افعال باری تعالیٰ کو شامل نہیں ہو سکتا اسی لئے اللہ تعالیٰ کی صفت فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے، اللہ تعالیٰ کے لئے عمال یا عامل نہیں کہا جاتا۔

قولہ حرف بر دو قسم است الخ یہ اس حرف کی تقسیم نہیں ہے جو کلمہ کی قسم ہے بلکہ یہ حرف حروف مبانی کی قسم ہے کیونکہ مطلق حروف دو قسم پر ہیں، حروفِ معانی اور حروفِ مبانی۔ **حروفِ معانی** وہ حروف ہیں جو معنی رکھتے ہوں جیسے مِنْ و اِلٰی یہی حروف کلمہ کی قسم ہیں۔ **حروفِ مبانی** وہ حروف ہیں جو معنی نہ رکھتے ہوں اور کلمہ کی پیدائش ان سے ہو جیسے ا ب ت الخ ان کو حروفِ تہجی اور حروفِ ہجا بھی کہتے ہیں۔ یہ حروف کلمہ کی قسم نہیں ہیں۔ اور حروفِ مبانی دو قسم پر ہیں حرفِ اصلی اور حرفِ زائدہ: **حروفِ اصلی** وہ حروف ہیں جو فا، عین اور لام کے مقابل ہوں جیسے نَصَرَ بر وزن فَعَلَ۔ **حروفِ زائدہ** وہ حروف ہیں جو فا، عین اور لام کے مقابلہ میں نہ ہوں جیسے نَاصِرٌ بروزن فَاعِلٌ میں الف زائدہ ہے۔ حروفِ اصلیہ ہی کو اس کلمہ کا مادہ کہتے ہیں مثلاً نَاصِرٌ اور مَنْصُوْرٌ کے اصلی حروف نون، صاد اور را ہیں یہی حروف ناصر اور منصور کا مادہ ہیں۔

(فائدہ) فعل اور اسم متمکن میں حروفِ اصلی اور حروفِ زائدہ کے درمیان تمیز کرنے کے کئی طریقے ہیں:

طریقہ نمبر۱ جو حروف تمام تصریف میں موجود ہوں یعنی ہم مادہ اور ہم ترتیب اور ہم معنی، دوسرے کلمات میں لفظاً یا تقدیراً موجود ہوں وہ اصلی ہیں جیسے ن ص ر، نَصَرَ یَنْصُرُ نَاصِرٌ مَنْصُوْرٌ وغیرہ تمام کلمات موجود ہیں لہٰذا یہ اصلی ہیں اور جو حرف تمام تصریف میں موجود نہ ہو یعنی اگر ایک کلمہ میں موجود باقی کلمات میں مفقود ہو تو وہ زائدہ ہے جیسے یا، یَنْصُرُ کی نَصَرَ نَاصِرٌ مَنْصُوْرٌ وغیرہ میں موجود نہیں اور الف نَاصِرٌ کا نَصَرَ یَنْصُرُ مَنْصُوْرٌ میں نہیں تو معلوم ہوا کہ یَنْصُرُ میں یا، اور نَاصِرٌ میں الف زائدہ ہے۔

طریقہ نمبر۲ کلمہ میں اگر کوئی حرف زائد ہو گا تو وہ الیوم تنساہ کے حروف ہی سے ہو گا جیسے یا، یَنْصُرُ اور الف نَاصِرٌ اور میم مَنْصُوْرٌ کا "الیوم تنساہ" میں موجود ہے، مگر زیادتی اگر تکرارِ عین یا تکرارِ لام سے ہو تو وہ زائدہ حرف الیوم تنساہ کے حروف کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے جیسے را، صَرَّفَ کی اور با، جَلْبَبَ کی الیوم تنساہ میں نہیں ہے۔ کلمہ میں اگر ان حروف سے کوئی حرف ہو تو یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ زائدہ ہی ہو بلکہ اصلی بھی ہو سکتا ہے چنانچہ سَأَلَ اور نَامَ میں تمام حروف اصلی ہیں حالانکہ یہ تمام حروف الیوم تنساہ میں موجود ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ اگر کلمہ میں کوئی حرف زائد ہو گا تو وہ انہی دس حروف میں سے ہو گا۔

حرفِ اصلی آنست کہ در مقابلۂ فا، و عین و لام بود چوں ضَرَبَ بروزن فَعَلَ و حرفِ زائد آنست کہ در مقابلۂ ایں حروف نبود چوں اَکْرَمَ بروزن اَفْعَلَ بدانکہ حرفِ اصلی در ثلاثی سہ است فا، و عین و یک لام چوں ضَرَبَ بروزن فَعَلَ و حرفِ اصلی در رباعی چہار است فا، و عین و دو لام چوں دَحْرَجَ بروزن فَعْلَلَ و حرفِ اصلی در خماسی پنج است فا، و عین و سہ لام چوں جَحْمَرِشٌ بروزن فَعْلَلِلٌ

طریقہ ۳ کسی کلمہ میں اگر کسی حرف کی زیادتی کا حکم دیں تو اس کلمہ کا اوزانِ عرب سے خروج لازم آتا ہو تو اس حرف کو اصلی کا حکم دیں گے جیسے مَلَكُوْتٌ میں اگر میم کو زائدہ اور واؤ کو اصلی کہیں تو اس کا وزن مَفْعُلٌ ہوگا حالانکہ یہ وزن کلامِ عرب میں مستعمل نہیں۔ اور اگر میم کو اصلی اور واؤ کو زائد کہیں تو اس کا وزن فَعُوْلٌ ہوگا، یہ وزن کلامِ عرب میں موجود ہے مثل عَصْفُوْرٌ بیٹھنے والی چڑیا، تو معلوم ہوا کہ ملوٰۃ میں واؤ زائد ہے نہ کہ میم۔ اسی طرح اگر کسی حرف کے اصلی ہونے کا حکم دیں تو اس کلمہ کا اوزانِ عرب سے خروج لازم آتا ہو تو اس حرف کو زائد ہونے کا حکم دیں گے جیسے قَرَنْفُلٌ میں نون کو اگر اصلی کا حکم دیں تو اس کا وزن فَعَلُّلٌ ہوگا حالانکہ اس وزن پر کلامِ عرب میں کوئی کلمہ مستعمل نہیں۔ اگر اس نون کو زائد کہیں تو اسکا وزن فَعَنْلُلٌ ہوگا البتہ اوزانِ عرب سے اسکا خروج لازم نہیں آتا کیونکہ اوزان مزید فیہ محصور نہیں ہیں۔

طریقہ ۴ کسی کلمہ میں اگر کوئی حرف ایسی جگہ واقع ہو جہاں وہ حرف زائدہ اکثر واقع ہوتا ہے تو اس کو زائد کا حکم دیں گے چنانچہ اول کلمہ میں اکثر ہمزہ اور میم زائدہ واقع ہوتے ہیں لہٰذا اَکْرَمَ میں ہمزہ اور مَدین میں میم زائد ہوں گے اور اُکْرُمٌ میں میم اور مُدُنٌ میں یا، اصلی ہیں۔

طریقہ ۵ ف ع ل کے ساتھ وزن کرنے سے جو حروف ف ع ل کے مقابلہ میں ہوں وہ اصلی ہوں گے جیسے نَصَرَ بروزن فَعَلَ میں ن ص ر، ف ع ل کے مقابلہ میں ہیں تو معلوم ہوا کہ نَصَرَ کے تمام حروف اصلی ہیں اور جو حروف ف ع ل کے مقابلہ میں نہ ہوں وہ زائد ہوں گے جیسے الف نَاصِرٌ بروزن فاعل میں زائد ہے کیونکہ موزون کے حروف میزان کے حروف کے برابر کرنے سے جیسے ن ا ص ر، ف ا ع ل میں الف ناصر کا ف ع ل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ الف الف کے مقابلہ میں ہے، تو معلوم ہوا کہ ناصر میں الف زائدہ ہے باقی اصلی ہیں، علیٰ ہذا القیاس اور کئی طریقے ہیں۔ مکمل پتہ تو تمام اوزان افعال اور اسماء کے معلوم ہونے کے بعد ہی چل سکتا ہے مگر ان تمام طریقوں سے بھی بآسانی معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ العزیز، مزید تحقیق و تفصیل کتبِ صرف میں سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

سوال میزان کے حروف (ف ع ل) اصلی ہیں یا زائدہ، بہر صورت اشکال سے خالی نہیں۔ اگر اصلی ہیں تو دور یا تسلسل لازم آتا ہے اور یہ ہر دو باطل ہیں، اور اگر زائدہ ہیں تو زائدہ کا اصلی کے مقابلہ میں آنا لازم آتا ہے اور یہ بھی ممنوع ہے؟

بدانکہ ثلاثی بر دو قسم است ثلاثی مجرد و ثلاثی مزید فیہ ثلاثی مجرد آنست کہ بر سہ حرفِ اصلی او چیزے زیادہ نبود چوں ضَرَبَ بروزن فَعَلَ و ثلاثی مزید فیہ آنست کہ از سہ حرفِ اصلی او چیزے زیادہ بود چوں اَکْرَمَ بروزن اَفْعَلَ و رباعی نیز بر دو قسم است رباعی مجرد و رباعی مزید فیہ رباعی مجرد آنست کہ بر چہار حرفِ اصلی او چیزے زیادہ نبود چوں دَحْرَجَ بروزن فَعْلَلَ و رباعی مزید فیہ آنست کہ از چہار حرفِ اصلی او چیزے زیادہ بود چوں تَدَحْرَجَ بروزن

جواب میزان کے حروف اصلی ہیں اور لزومِ دور یا تسلسل ممنوع ہے کیونکہ میزان کی میزان نفسِ میزان ہے جس طرح وجود کا وجود اس کا عین ہے یعنی وہ اپنے وجود میں ایسے وجود کا محتاج نہیں ہوتا جو اس کا مغایر ہے۔

قولہ بدانکہ حروف اصلی در ثلاثی الخ یعنی حروف اصلیہ زائدہ معلوم کرنے کی میزان ثلاثی میں فار، عین اور ایک لام ہے اور رباعی میں فار، عین اور دو لام اور خماسی میں فار، عین اور تین لام ہیں۔

(فائدہ) علمائے صرف کی اصطلاح میں فار کلمہ سے مراد وہ حرف ہے جو فار کے مقابلہ میں ہو، اور عین کلمہ سے مراد وہ حرف ہے جو عین کے مقابل ہو اور پہلے لام سے مراد وہ حرف ہے جو پہلے لام کے مقابلہ میں ہو اور دوسرے لام سے مراد وہ ہے جو دوسرے لام کے مقابلہ میں ہو اور تیسرے لام سے مراد وہ حرف ہے جو تیسرے لام کے مقابلہ میں ہو جیسے جَحْمَرِشٌ بروزن فَعْلَلِلٌ میں جحمرشٌ کا جیم فار کلمہ ہے کیونکہ فار کے مقابلہ میں ہے اور حار عین کلمہ ہے اور میم پہلا لام ہے اور رار دوسرا لام اور شین تیسرا لام ہے۔

سوال حروف اصلی رباعی میں فار، عین دو لام میں دو فار اور ایک عین اور ایک لام کیوں نہیں؟

جواب لام کو مکرر اس لئے کیا کہ لام کے ذکر کے بعد اور حرف کی ضرورت واقع ہوئی۔ نیز اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ لام حروف زوائد سے ہے اسی لئے لام کو مکرر کیا گیا نیز اس لئے کہ لام کلمہ کے آخر میں ہے اور کلمہ کا آخر تغیر و تبدل کے لئے اول یا درمیان سے زیادہ لائق ہے۔

قولہ بدانکہ ثلاثی بر دو قسم است۔ ۱. ثلاثی مجرد ۲. ثلاثی مزید فیہ۔ ۳. رباعی مجرد۔ ۴. رباعی مزید فیہ۔ ۵. خماسی مجرد۔ ۶. خماسی مزید فیہ۔ ان اقسام کو شش اقسام کہتے ہیں۔ مجرد تجرید سے اسم مفعول ہے اس کا لغوی معنے ہے خالی کیا گیا، اور اصطلاح میں وہ کلمہ ہے جس میں تمام حروف اصلی ہوں اور اس میں حرف زائد نہ ہو، یعنی وہ کلمہ حرفِ زائد سے خالی کیا گیا ہے جیسے نَصَرَ نَوْرٌ، دَحْرَجَ جَعْفَرٌ۔

(فائدہ) بعض محققین مجرد و مزید فیہ کی تعریف میں ماضی کی قید لگاتے ہیں کہ مجرد وہ کلمہ ہے جس کی ماضی میں یا خود اس میں اگر وہ ماضی نہیں رکھتا حروفِ اصلیہ سے کوئی حرف زائد نہ ہو، مگر محققین کا اس قید سے

تفعلل وخماسی نیز بر دو قسم است خماسی مجرد وخماسی مزید فیہ خماسی مجرد آنست کہ بر پنج حرف اصلی او چیزے زیادہ نبود چوں جَحْمَرِشٌ بروزن فَعْلَلِلٌ وخماسی مزید فیہ آنست کہ بر پنج حرف اصلی او چیزے زیادہ بود چوں خَنْدَرِیْسٌ بروزن فَعْلَلِیْلٌ بدانکہ جملہ اقسام اسم وفعل از ہفت قسم بیروں نیست صحیح است یا مہموز یا مضاعف یا مثال یا اجوف یا ناقص یا لفیف اما صحیح آنست کہ در مقابلہ فاء وعین ولام کلمہ اسم یا فعل حرفِ علت

ناصِرٌ منصورٌ وغیرہما کو مزید فیہ سے خارج کرنا مقصود نہیں ہے چنانچہ اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں، بلکہ ماضی کی قید لگانے سے ان کا مقصود باب کی صفت بیان کرنا ہے۔ مثلاً ناصِرٌ منصورٌ وغیرہما کے متعلق اگر کوئی سوال کرے کہ یہ مجرد ہیں یا مزید فیہ؟ تو اس کا جواب ہوگا کہ یہ مزید فیہ ہیں، البتہ اگر کوئی یہ دریافت کرے کہ یہ کیسے باب کے کلمے ہیں تو اسکا جواب ہوگا کہ یہ مجرد باب کے یعنی ایسے باب کے کلمے ہیں کہ جس باب کی ماضی میں حروف اصلی کے سوا کوئی حرف زائد نہ ہو جیسے

قولہ مزید فیہ الخ مزید فیہ اسم مفعول ہے۔ اصل میں مَزْیُوْدٌ تھا، یاء کا ضمہ ماقبل کو دیکر یاء کی موافقت کیلئے ضمہ کو کسرہ سے بدل گیا پہلی یاء التقائے ساکنین سے گری مَزِیْدٌ ہوا، واؤ یاء ہوئی، مَزِیْدٌ ہوا اس کا لغوی معنٰی ہے زیادہ کیا گیا، "فیہ" کا معنٰی ہے "اس میں"، اور اصطلاح میں مزید فیہ وہ کلمہ ہے جس میں حروف اصلی کے علاوہ کوئی حرف زیادہ بھی کیا گیا ہو جیسے اَکْرَمَ بروزن اَفْعَلَ اور قِرْطَاسٌ بروزن فِعْلَالٌ اور خَنْدَرِیْسٌ بروزن فَعْلَلِیْلٌ۔

(فائدہ) فعل اور اسم متمکن میں کم از کم حرف اصلی تین ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ فعل میں چار اور اسم میں پانچ ہونگے مگر حذف ہونے کے بعد فعل میں ایک جیسے قِ، یا دو جیسے قُلْ اور حروف کی زیادتی کے بعد فعل میں زیادہ سے زیادہ چھ جیسے اِسْتَغْفَرَ اور اسم میں سات ہوں گے جیسے اِسْتِغْفَارٌ۔

قولہ بدانکہ جملہ اقسام الخ یہ تقسیم اسم متمکن اور فعل کی باعتبار حروف اصلی کے ہے۔

سوال حرف اور اسم غیر متمکن کو اس تقسیم میں شامل کیوں نہ کیا؟

جواب اس لئے کہ ان اقسام سے جو مقصود ہے وہ حرف اور اسم غیر متمکن میں نہیں کیونکہ ان کے حروف فاء عین لام کے برابر نہیں ہیں۔ ان سات قسموں کو ہفت اقسام کہتے ہیں۔ بعضے دو قسم پر تقسیم کرتے ہیں صحیح اور معتل، بعضے تین پر تقسیم کرتے ہیں یعنی صحیح، معتل، مضاعف۔ بعضے چار پر تقسیم کرتے ہیں یعنی صحیح، مہموز، مضاعف، معتل۔

قولہ اما صحیح الخ صحیح کا لغوی معنٰے ہے تندرست، اور صرفیوں کی اصطلاح میں وہ کلمہ ہے جس کی تعریف مصنف صاحب نے کی ہے اس کو سالم بھی کہتے ہیں۔ اور نحویوں کے نزدیک صحیح وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو جیسے زَیْدٌ۔

سوال صحیح کی تعریف لفظِ صحیح پر صادق نہیں آتی کیونکہ لفظِ صحیح، صحیح نہیں ہے بلکہ مضاعف ہے۔

جواب صحیح کی تعریف یہ صحیح کے مسمّٰی کے لئے ہے نہ کہ اسم کی۔

وہمزہ و تضعیف نبود چوں ضَرَبَ وضَرَبَ بروزن فَعَلَ و فَعَلَ و حرف علت سہ اند واؤ والف و یا، چوں جمع کنی وای شود

سوال صحیح کو صحیح کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ صحیح کا لغوی معنی ہے تندرست، چونکہ صحیح اصطلاحی میں حرف علت اور ہمزہ اور دو حرف ہمجنس نہیں ہیں جو کہ اعلال و تغیرات کا سبب ہیں اس لئے اس کو صحیح کہتے ہیں۔

قولہ حرفِ علت الخ حروف دو قسم پر ہیں حروفِ علت اور حروفِ صحیح، حروفِ علت تین ہیں واؤ الف یا، ان کا مجموعہ وای ہے۔ حروفِ علت کے تین القاب ہیں ۱۔ علت - ۲۔ لین - ۳۔ مدہ -

۱۔ علت مطلق حرفِ علت کو کہتے ہیں خواہ متحرک ہو جیسے عَوِدَ یا ساکن ہو اور ماقبل حرکت موافق ہو جیسے قَالَ یا ماقبل حرکت مخالف ہو جیسے قَوْلٌ -

۲۔ لین اس حرفِ علت کو کہتے ہیں جو ساکن ہو اور ماقبل حرکت موافق ہو جیسے قِیْلَ یا مخالف ہو جیسے بَیْعٌ -

۳۔ مدہ اس حرف علت کو کہتے ہیں جو ساکن ہو اور ماقبل حرکت موافق ہو یعنی اگر واؤ ساکن ماقبل ضمہ ہے تو وہ واؤ مدہ ہے، اگر یاء ساکن ماقبل کسرہ ہے تو وہ یاء مدہ اور اسی طرح الف ماقبل فتحہ بھی مدہ ہے۔ اور ان تینوں حروف مدہ کی مثال نُوْحِیْہَا ہے، اور الف ہمیشہ مدہ ہوتا ہے۔

حروفِ صحیح حروفِ علت کے علاوہ تمام حروف صحیح ہیں۔

سوال حروفِ علت کو علت کیوں کہتے ہیں ؟

جواب ۱ اس لئے کہ علت کا معنیٰ ہے بیماری، اور عربی لوگ ان تینوں حروف کے مجموعہ "وای" کو بیماری کے وقت منہ سے نکالتے ہیں جیسے ہم لوگ ہائے ہائے کرتے ہیں تو چونکہ یہ حروف علت یعنی بیماری کے وقت زبان سے نکلتے ہیں اس لئے ان حروف کو حرفِ علت کہا جاتا ہے سہ حرف علت نام کردہ واؤ الف و یائے را ؛ زہر کہ در دے رسد لاچار گوید وای ۱

۲ اس لئے کہ بیمار کو جس طرح چین اور سکون نہیں ہوتا ہے اور وہ کروٹیں بدلتا ہے اسی طرح حروفِ علت کو بھی سکون نصیب نہیں ہوتا اور ان میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں کبھی ساکن ہوتے ہیں جیسے یَقُوْلُ، کبھی حذف ہو جاتے ہیں جیسے یَعِدُ اور کبھی کسی حرف سے بدل جاتے ہیں جیسے قَالَ کہ دراصل قَوَلَ تھا۔

۳ اس لئے کہ جس طرح بیمار ضعیف اور کمزور ہوتا ہے اور بوجھ نہیں اٹھا سکتا اسی طرح یہ حروف بھی علیل اور ضعیف ہوتے ہیں اور کمزوری کی وجہ سے حرکت نہیں اٹھا سکتے۔

سوال مدہ کو مدہ کیوں کہتے ہیں ؟

جواب مدہ کا لغوی معنیٰ ہے دراز کرنا، کھینچنا چونکہ حرفِ مدہ بھی حرکت کے دراز کرنے سے پیدا ہوتا ہے لہذا اسے مدہ کہتے ہیں چنانچہ فتحہ کھینچنے سے الف، ضمہ سے واؤ اور کسرہ کھینچنے سے یاء پیدا ہوتی ہے جیسے قَالَ قُوْ قِیْلَ

ومهموز آنست کہ یک حرفِ اصلی او همزہ بود و مهموز بر سہ قسم است مهموز الفاء و مهموز العین و مهموز اللام مهموز الفاء آنست کہ در مقابلہ فاء کلمۂ اسم یا فعل همزہ بود چوں اَمْنٌ و اَمَرَ بروزن فَعْلٌ و فَعَلَ و مهموز العین آنست کہ در مقابلہ عین کلمۂ اسم یا فعل همزہ بود چوں سَاْلٌ و سَاَلَ بروزن فَعْلٌ و فَعَلَ و مهموز اللام آنست کہ در مقابلہ لام کلمۂ اسم یا فعل همزہ بود چوں قَرْءٌ و قَرَاَ بروزن فَعْلٌ و فَعَلَ

قِیْلَ اسی لئے واؤ کو اختِ ضمہ، یا کو اختِ کسرہ اور الف کو اختِ فتحہ کہتے ہیں۔

جوابِ۲ اس لئے کہ بوقتِ تکلم حرفِ مدہ میں مد صوت یعنی آواز کو کھینچا جاتا ہے۔

سوال لین کو لین کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ لین کا لغوی معنیٰ ہے نرم اور ضعیف ہونا چونکہ حرفِ لین بمنزلہ نفس یعنی دم کے ضعیف ہے اور بوقتِ تلفظ نرمی سے ادا ہوتا ہے لہٰذا ان کو حروفِ لین کہتے ہیں۔ اور اسی لئے ان کو حروفِ ہوائی بھی کہتے ہیں بخلاف باقی حروف کے۔ حروفِ علت کو حروفِ اعتلال بھی کہتے ہیں کیونکہ اعتلال کا لغوی معنیٰ ہے تغیر پانا اور چونکہ ان حروف میں بھی تغیرات کثرت سے واقع ہوتے ہیں اس لئے ان کو حروفِ اعتلال بھی کہتے ہیں۔

حروفِ علت کو ام الزوائد بھی کہتے ہیں کیونکہ کلمہ میں اگر کسی حرف کی زیادتی کرنی ہو تو زیادتی کے لئے اصل یہ حروف ہیں۔ اعلال یا تعلیل کا لغوی معنیٰ ہے حرفِ علت میں تبدیلی کرنی اور اصطلاح میں حروفِ علت میں تبدیلی کرنی قاعدہ مُطَّرِدَہ سے تاکہ تخفیف حاصل ہو، اعلال کو تحویل بھی کہتے ہیں۔

قولہ مهموز الخ مهموز کا لغوی معنٰے ہے همزہ دیا گیا، اور اصطلاح میں وہ کلمہ ہے جس کے حروفِ اصلیہ میں همزہ ہو جیسے اَمَرَ بشرطیکہ همزہ کسی حرفِ علت وغیرہ سے بدلا ہوا نہ ہوا جیسے قَائِلٌ بروزن فاعل اور دُعَاءٌ بروزن فُعَالٌ میں همزہ حروفِ اصلیہ میں سے ہے مگر قَائِلٌ دُعَاءٌ کو مهموز نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اصل میں همزہ نہیں ہے بلکہ واؤ ہے،

الف و همزہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور بغیر تنگی کے آرام سے پڑھا جاتا ہے جیسے قَالَ، اور همزہ متحرک ہوتا ہے جیسے اَمَرَ اَحْمَدُ یا ساکن مگر بوقت تلفظ تنگی سے پڑھا جاتا ہے جیسے رَاْسٌ۔ همزہ کو مجازاً الف بھی کہا جاتا ہے جیسے الفِ وصل، اس لئے کہ یہ ابتداء کلمہ میں بشکلِ الف لکھا جاتا ہے۔

همزہ کی کتابت میں کوئی خاص صورت نہیں اس لئے اسکو کبھی واؤ، کبھی یا اور کبھی الف کی صورت میں لکھا جاتا ہے جیسے بُؤْسٌ ذِئْبٌ رَاْسٌ مگر متاخرین نے همزہ کی شکل اس طرح (ء) وضع کی ہے۔ همزہ کی کتابت کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر همزہ ابتداء کلمہ میں ہو تو الف کی صورت میں ہوگا جیسے اَکْرَمَ اَحْمَدُ اور اگر همزہ کلمہ کے درمیان میں ہو اور ساکن ہو تو ماقبل کی حرکت کے موافق لکھتے ہیں یعنی اگر ماقبل فتحہ ہو تو الف، کسرہ ہو تو یا، اور ضمہ ہو تو واؤ کی صورت میں ہوگا جیسے رَاْسٌ

و مضاعف آنست کہ دو حرف اصلی او از یک جنس باشند و مضاعف بر دو قسم است مضاعف ثلاثی و مضاعف رباعی مضاعف ثلاثی آنست کہ در مقابلہ عین و لام کلمہ اسم یا فعل دو حرف از یک جنس باشند چوں مَدٌّ و مَدَّ کہ در اصل مَدْدٌ و مَدَدَ بودہ است بر وزن فَعْلٌ و فَعَلَ و مضاعف رباعی آنست کہ در مقابلہ فاء و لام اولیٰ و عین و لام ثانی اسم یا فعل دو حرف از یک جنس باشند چوں

ذِئْبٌ مُؤْسٌ اور اگر ہمزہ متحرک ہو تو ہمزہ کی حرکت کے موافق لکھتے ہیں جیسے سَأَلَ لَؤُمَ سَئِمَ اور اگر ہمزہ کلمہ کے آخر میں ہو اور ماقبل متحرک ہو تو ماقبل کی حرکت کے موافق لکھتے ہیں جیسے قَرَأَ طَرُؤَ فَتِئَ اور اگر ماقبل ساکن ہو تو ہمزہ کے لئے کتابت میں کوئی صورت نہیں بلکہ اس شکل (ء) میں لکھتے ہیں جیسے جُزْءٌ مگر آخر میں جب کوئی چیز متصل ہو تو اس کو اپنی حرکت کے موافق لکھتے ہیں جیسے هٰذَا جُزْؤُكَ رَأَيْتُ جُزْأَكَ نَظَرْتُ اِلٰى جُزْئِكَ۔

قولہ مضاعف الخ اسم مفعول از باب مفاعلہ بمعنے دہرا کیا گیا۔

سوال مضاعف کو مضاعف کیوں کہتے ہیں؟

جواب مضاعف کو اس لئے مضاعف کہتے ہیں کہ مضاعف اصطلاحی میں بھی ایک حرف کو دوہرا یا دوبارہ لایا جاتا ہے۔

مضاعف دو قسم پر ہے، مضاعف ثلاثی و مضاعف رباعی۔ مضاعف ثلاثی وہ اسم یا فعل ہے جس کا عین اور لام کلمہ ایک جنس سے ہوں جیسے مَدَّ در اصل مَدَدَ بر وزن فَعَلَ تھا پہلی دال کو دوسری دال میں ادغام کیا مَدَّ ہوا مُحِبٌّ در اصل مُحْبِبٌ بر وزن مُفْعِلٌ تھا پہلی باء کی حرکت ماقبل کو دیکر دوسری میں ادغام کیا مُحِبٌّ ہوا۔ مضاعف ثلاثی کو اصم بھی کہتے ہیں کیونکہ اَصَمّ بہرے اور سخت کو کہتے ہیں چونکہ اس میں بھی عموماً پہلے حرف کو دوسرے میں ادغام کرنے سے شد حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں شدت یا سختی ہوتی ہے اس لئے اسے اصم کہتے ہیں۔ اگر فاء اور عین ہم جنس ہوں جیسے دَدَنٌ (لہو و لعب) یا فاء اور لام ہم جنس ہوں جیسے سلس یا فاء، عین و لام ہم جنس ہوں جیسے ققق (آواز طفل) تو یہ بھی مضاعف ثلاثی ہے مگر چونکہ یہ قلیل الاستعمال ہیں لہذا اکثر صرفیوں نے اس کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ اَلْقَلِيْلُ كَالْمَعْدُوْمِ۔

مضاعف رباعی وہ اسم یا فعل ہے جس کا فاء اور لام اول، عین اور لام ثانی ایک جنس سے ہوں جیسے زَلْزَلَ۔ مضاعف رباعی کو مطابق بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں ترکیب و ترتیب کے لحاظ سے آخری دو حرف اصلی پہلے دو حرف اصلی کے مطابق ہوتے ہیں مثلاً پہلے دو حرف صَرْ میں دوسرے بھی صَرْ تو یہ دونوں صَرْصَرَ ہوا۔

سوال مضاعف کو معتل پر مقدم کیوں کیا گیا؟ **جواب** اس لئے کہ مضاعف میں کسی حرف کو حذف کرنا یا بدلنا بہت ہی قلیل ہے بخلاف معتل کے۔

سوال صَرَّفَ بر وزن فَعَّلَ اور جَلْبَبَ بر وزن فَعْلَلَ مضاعف ہیں یا نہیں؟

جواب یہ مضاعف نہیں ہیں کیونکہ صَرَّفَ میں ایک راء، اور جَلْبَبَ میں ایک باء زائد ہے اور مضاعف میں دو حرف ہم جنس کے لئے شرط ہے کہ وہ دونوں اصلی ہوں اس لئے مضاعف نہیں ہیں

زَلْزَلَ وزِلْزَالاً بروزن فَعْلَلَ وفِعْلَالاً ومثال آنست کہ درمقابلۂ فا کلمہ اسم یا فعل حرفِ علت بود چوں وَصْلٌ ووَصَلَ بروزن فَعْلٌ وفَعَلَ واجوف آنست کہ درمقابلۂ عین کلمہ اسم یا فعل حرفِ علت بود چوں قَوْلٌ وقَالَ وبَيْعٌ وبَاعَ بروزن فَعْلٌ وفَعَلَ

معتل اسم فاعل ہے اعتلال سے بمعنی بیمار، معتل دراصل مُعْتَلِلٌ بروزن مُفْتَعِلٌ تھا۔ پہلے لام کی حرکت گرا کر دوسرے میں، تمام کیا معتل ہوا ابدہ فارسی یا اردو یا پنجابی زبان میں جب اس کا استعمال ہوا تو ایک لام کو حسب معمول حذف کیا معتل ہوا۔ اس کا لغوی معنی ہے علت والا یعنی بیمار ہونیوالا اور اصطلاح اہل صرف میں وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلیہ میں سے حرف علت ہو بشرطیکہ حرفِ علت ہمزہ وغیرہ سے نہ بدلا ہوا ہو جیسے دَاسِعٌ بروزن فَعْلٌ میں الف، اور بُوسٌ بروزن فُعْلٌ میں واو اور ذِيْبٌ بروزن فِعْلٌ میں یاء ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے لہذا ان کلمات کو معتل نہیں بلکہ مہموز کہیں گے کیونکہ یہ اصل میں حرف علت نہیں بلکہ ہمزہ ہے اور نحویوں کی اصطلاح میں معتل وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں حرفِ علت ہو۔

سوال معتل کو معتل کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ معتل اصطلاحی کے اجزاء میں علت اور بیماری ہے۔ معتل دو قسم پر ہے معتل بیک حرف، معتل بدو حرف۔ معتل بیک حرف وہ ہے جس کے حروفِ اصلیہ میں سے ایک حرف علت ہو۔ معتل بیک حرف تین قسم پر ہے مثال، اجوف، ناقص

قولہ مثال الخ مثال کا لغوی معنی ہے "مانند" اور اصطلاح میں مثال وہ کلمہ ہے جس کے فا کلمہ واؤ یا یاء ہو جیسے وَصَلَ بروزن فَعَلَ يَسَرَ بروزن فَعَلَ۔ مثال کو معتل الفاء اور معتل الطرف بھی کہتے ہیں کیونکہ حرفِ علت اس قسم میں طرف پر واقع ہوتا ہے۔

مثال دو قسم پر ہے مثال واوی، مثال یائی۔ مثال واوی جس کا فا کلمہ واؤ ہو جیسے وَعَدَ بشرطیکہ یاء وغیرہ سے بدلی ہوئی نہ ہو جیسے مُوسِرٌ بروزن مُفْعِلٌ دراصل مُيْسِرٌ تھا۔ مثال یائی جس کے فا کلمہ یاء ہو جیسے يَسَرَ بشرطیکہ واؤ وغیرہ سے بدلی ہوئی نہ ہو جیسے مِيزَانٌ بروزن مِفْعَالٌ دراصل مِوْزَانٌ واؤ یاء ہو کر مِيزَانٌ ہوا۔

سوال مثال کو مثال کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ اس کی ماضی کی گردان صحیح کی گردان کی مانند ہے یعنی جس طرح صحیح کی گردان میں تبدیلی نہیں اسی طرح اس میں بھی تبدیلی نہیں۔

سوال مثال کو اجوف پر کیوں مقدم کیا گیا ہے!

جواب چونکہ فا کلمہ عین کلمہ سے مقدم ہوتا ہے لہذا اس کا مقدم کرنا جو مقدم ہے زیادہ بہتر ہے اس چیز کے مقدم کرنے سے جو مؤخر ہے۔

قولہ اجوف الخ اجوف کا لغوی معنی ہے درمیان سے خالی اور اصطلاح میں وہ کلمہ ہے جس کا عین کلمہ واؤ یا یاء ہو۔ اجوف کو معتل العین اور ذو ثلاثہ بھی کہتے ہیں۔ اجوف دو قسم پر ہے اجوف واوی اور اجوف یائی۔ اجوف واوی وہ کلمہ ہے جس کا عین کلمہ واؤ ہو جیسے نَوْرٌ بروزن فَعْلٌ بشرطیکہ یاء وغیرہ سے بدلی ہوئی نہ ہو جیسے بُوعِيٌ دراصل بُعْيِيٌ اور بُوسٌ دراصل بُؤْسٌ تھا۔ اجوف یائی جس کا عین کلمہ یاء ہو جیسے سَيِّدٌ بروزن فَعْلٌ بشرطیکہ واؤ وغیرہ سے نہ بدلی ہو جیسے قِيلَ دراصل قُوِلَ بروزن فُعِلَ تھا۔

وناقص آنست کہ در مقابلہ لام کلمہ اسم یا فعل حرف علت بود چوں غَزْوٌ و غَزَا و دَمْیٌ و دَمیٰ بروزن فَعْلٌ و فَعَلَ

سوال اجوف کو اجوف کیوں کہتے ہیں؟

جواب۱ اس لئے کہ اجوف کا لغوی معنی ہے درمیان خالی چونکہ اجوف اصطلاحی میں اکثر عین کلمہ حذف ہوتا ہے اور کلمہ کا درمیان خالی ہوتا ہے جیسے قُلْتُ دراصل قَوَلْتُ۔ جواب۲ اس لئے کہ اجوف اصطلاحی کے عین کلمہ حرف علت ہوتا ہے جو کہ قابل تغیر ہوتا ہے گویا کہ اس کا درمیانہ خالی ہے۔ جواب۳ اس لئے کہ اس کا درمیانہ عموماً حرکت سے خالی ہوتا ہے جیسے قَالَ یَقُوْلُ۔ جواب۴ اس لئے کہ اجوف کا معنے ہے بڑے پیٹ والا اور پیٹ کا بڑا ہونا بھی علت اور بیماری ہے اسی طرح کلمہ اجوف کے پیٹ (عین کلمہ) میں حرف علت ہے یعنی بیماری ہے۔ جواب۵ اس لئے کہ اجوف جوف سے ہے اور جوف کا معنے ہے خالی شکم، چونکہ کلمہ اجوف کا شکم (عین کلمہ) حرف صحیح سے خالی ہے لہذا اسے اجوف کہتے ہیں۔

سوال اجوف کو ذو ثلاثہ کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ اجوف سے ماضی ثلاثی مجرد کے واحد متکلم کے صیغہ میں مع ضمیر تین حروف ہوتے ہیں جیسے قُلْتُ۔

قولہ ناقص الخ ناقص کا لغوی معنی ہے ناتمام نامکمل، اور صرفیوں کے نزدیک ناقص وہ کلمہ ہے جس کے لام کلمہ واؤ یا یاء ہو، ناقص کو منقوص اور معتل اللام اور ذو اربعہ بھی کہتے ہیں۔ اور نحویوں کے نزدیک ناقص وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں حرف علت ہو جیسے یَدْعُوْ یَرْمِیْ اور نحویوں کی اصطلاح میں منقوص وہ کلمہ ہے جس کے آخر میں یاء اور ماقبل مکسور ہو جیسے قَاضِیْ۔

سوال ناقص کو ناقص کیوں کہتے ہیں؟

جواب ناقص نقص سے ہے نقص کا معنی ہے کم ہونا یا کم کرنا معنے لازم اور متعدی ناقص مصدر لازم سے اور منقوص مصدر متعدی سے مشتق ہے ناقص یا منقوص اس کلمہ کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا لام کلمہ اکثر گر جاتا ہے اور کلمہ میں لفظاً نقص آجاتا ہے جیسے یَدْعُوْ سے لَمْ یَدْعُ۔

سوال ناقص کو ذو اربعہ (چار والا) کیوں کہتے ہیں!

جواب اس لئے کہ ناقص سے واحد متکلم ماضی ثلاثی مجرد میں مع ضمیر چار حروف ہوتے ہیں اور اجوف کیطرح اس میں حرف نہیں گرتا جیسے دَعَوْتُ حالانکہ لام کلمہ محل تبدل و تغیر ہے۔

سوال یہ وجہ تو صحیح اور مثال اور مہموز اور مضاعف میں بھی موجود ہے کیونکہ ان میں بھی مع ضمیر چار حروف ہوتے ہیں لہذا انکو بھی ذو اربعہ کہنا چاہیئے۔

جواب جمہور متاخرین کے نزدیک اگرچہ تعریف میں اطراد و انعکاس شرط ہے درخاصہ میں حقیقت اطراد شرط ہے مگر وجہ تسمیہ میں نہ اطراد شرط ہے اور نہ انعکاس شرط ہے جیسا کہ شیشہ کو اس لئے قارورہ کہتے ہیں کہ شیشہ پانی کے لئے قرار گاہ ہے اور گھڑے کو

ولفیف بر دو قسم است لفیف مفروق ولفیف مقرون لفیف مفروق آنست کہ در مقابلۂ فاء ولام کلمۂ اسم یا فعل حرفِ علت بود چوں وَقْیٌ و وَحْیٌ بروزن فَعْلٌ و فَعَلَ ولفیف مقرون آنست کہ در مقابلۂ عین ولام کلمۂ اسم یا فعل حرفِ علت بود چوں طَیٌّ و طَوِیَ و حَیٌّ و

قاء دہ نہیں کہتے اگرچہ یہ بھی پانی کی قرارگاہ ہے۔

سوال مثال الفی اور اجوف الفی اور ناقص الفی کیوں نہیں آتے؟

جواب اس لئے کہ فعل اور اسم متمکن میں الف اصلی نہیں ہوتا بلکہ زائدہ ہوگا اور زائدہ کا یہاں اعتبار نہیں مثل ناصر بروزن فاعل اگر اصلی ہوگا تو وہ واؤ یا یاء سے بدلا ہوا ہوگا جیسے قَالَ دراصل قَوَلَ اور بَاعَ دراصل بَیَعَ تھا، یا حرفِ مکرر سے بدلا ہوا ہوگا جیسے دَسّٰہَا دراصل دَسَّسَہَا تھا البتہ اسم غیر متمکن اور حرف میں الف اصلی غیر مبدلہ ہوتا ہے جیسے ھٰؤُلَآءِ اور مَا مگر چونکہ یہاں بحث فعل اور اسم غیر متمکن کی ہے اور ان میں الف اصلی نہیں آتا، لہٰذا مثالِ الفی وغیرہ نہیں آتے۔

(فائدہ) صرفیوں اور نحویوں کے ناقص کے درمیان فرق کئی طرح سے ہے۔ ۱۔ صرفیوں کے نزدیک ناقص کے لئے لام کے مقابلہ میں حرفِ علت ہونا شرط ہے اور نحویوں کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے بلکہ کلمہ کے آخر میں حرفِ علت کا ہونا شرط ہے خواہ اصلی ہو یا زائدہ جیسے یُقَلْسِیْ اور مُقَلْسِیْ کے آخر میں یاء زائدہ ہے اور لام کے مقابلہ میں نہیں ہے لہٰذا نحویوں کے نزدیک یہ ناقص ہے اور صرفیوں کے نزدیک صحیح ہے۔

۲۔ صرفیوں کے نزدیک ناقص کے لئے حروفِ اصلیہ سے ایک حرفِ علت کا لام کے مقابل ہونا شرط ہے اور نحویوں کے نزدیک شرط نہیں ہے لہٰذا اَلطَّوِیُّ و حَیِیَ نحویوں کے نزدیک ناقص ہے اور صرفیوں کے نزدیک یہ ناقص نہیں بلکہ اس کو لفیف کہتے ہیں، وفیہ نظر۔

۳۔ صرفیوں کے نزدیک شرط ہے کہ حرفِ علت جو لام کلمہ ہے حرفِ صحیح وغیرہ سے نہ بدلا ہوا ہو اور نحویوں کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے لہٰذا اُدْعُوْ نحویوں کے نزدیک ناقص ہے اور صرفیوں کے نزدیک ناقص نہیں بلکہ مہموز اللام ہے۔

۴۔ صرفیوں کے نزدیک حرفِ علت اگرچہ ہمزہ وغیرہ ہو جائے پھر بھی ناقص ہے مگر نحویوں کے نزدیک وہ صحیح ہے جیسے دُعَاءٌ وغیرہ، حاصل یہ ہے کہ صرفی حرف اصلی اور اس کے اصل کا اعتبار کرتے ہیں اور نحوی یہ اعتبار نہیں کرتے۔

معتل بدو حرف وہ کلمہ ہے جس کے حروفِ اصلیہ میں سے دو حرف علت کے ہوں اس کو لفیف بھی کہتے ہیں۔

قولہ ولفیف بر دو قسم است الخ لفیف دو قسم پر ہے لفیف مفروق ولفیف مقرون۔ لفیف وہ کلمہ ہے کہ جس کے فاء اور لام کلمہ کے مقابلہ میں حرفِ علت ہو جیسے وَقْیٌ کہ اسے "ملتوی" بھی کہتے ہیں۔

سوال لفیف کو لفیف کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ لفیف کا لغوی معنی ہے لپٹا ہوا نیز آدمیوں کی ایسی جماعت کو بھی لفیف کہتے ہیں جو مختلف جماعتوں سے مل کر بنے۔ اور ایسے طعام کو بھی لفیف کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کے طعام جمع ہوں اور چونکہ لفیف اصطلاحی میں بھی دو حرف علت کے لپٹے ہوئے ہیں لہٰذا اسے لفیف کہتے ہیں۔

حتی بر وزن فُعُل و فِعَل و فَعْل بدانکہ اسم بر دو قسم است اسم جامد و اسم مصدر اسم جامد آنست کہ از وے چیزے اشتقاق کردہ نشود و در آخر معنے فارسی او دال و نون و تا و نون نباشد چوں رَجُلٌ و فَرَسٌ و مصدر آنست کہ از وے چیزے اشتقاق کردہ شود و در آخر معنے فارسی او دال و نون یا تا و نون باشد چوں اَلضَّرْبُ زدن و اَلْقَتْلُ کشتن۔

سوال مفروق کو مفروق کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ مفروق کا لغوی معنی ہے جدا کیا گیا، چونکہ مفروق اصطلاحی میں بھی دو حرف علت کو حرف اصلی صحیح کے ذریعہ جدا کیا گیا ہے لہذا اسے مفروق کہا جاتا ہے۔

سوال لفیف مفروق کو "ملتوی" کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ اس کا لغوی معنی ہے لپیٹنے والا، چونکہ اس میں دو حرف علت کے حرف اصلی صحیح کو لپیٹنے والے ہیں لہذا اسے ملتوی کہتے ہیں

قولہ لفیف مقرون الخ لفیف مقرون وہ کلمہ ہے جس کے عین اور لام کے مقابلہ میں حرف علت ہو جیسے طَوٰیٌ اور اگر فاء و عین کے مقابلہ میں حرف علت ہو تو وہ بھی مقرون ہے جیسے وَیْلٌ یَوْمٌ مگر یہ صورت قلیل الاستعمال ہے اور وہ بھی صرف اسم میں ہے لہذا مصنف اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے تعریف میں شامل نہیں کرتے۔

سوال مقرون کو مقرون کیوں کہتے ہیں؟

جواب اس لئے کہ مقرون کا لغوی معنے ہے ایک دوسرے سے ملایا ہوا اور چونکہ مقرون میں بھی دو حروف علت آپس میں ملائے گئے ہیں اور درمیان میں حرف اصلی صحیح فاصل نہیں لہذا اسے مقرون کہتے ہیں۔

معتل بسہ حرف وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلیہ کے مقابلہ میں تین حرف علت کے ہوں جیسے وَوَیْتُ و یَیَیْتُ ، اسے معتل الکل اور معتل مطلق بھی کہتے ہیں۔

قولہ اسم بر دو قسم الخ اس سے پہلے اسم کی تقسیم باعتبار ذات کے تھی اب یہ تقسیم باعتبار صفت کے ہے۔

سوال اسم تین قسم پر ہے مصدر، مشتق، جامد مگر دو قسم بنا کر مشتق کو کیوں خارج کیا ؟

جواب اس لئے کہ مشتق مصدر کی فرع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل کا ذکر کرنے سے فرع کا ضمناً ذکر ہو جاتا ہے۔

قولہ مصدر الخ سوال مصدر کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ یہ تعریف لفظ عُنُقٌ اور رَقَبَۃٌ بمعنے گردن اور منوالٌ بمعنی نوردن پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان کا فارسی میں معنی کرنے سے آخر میں دال اور نون آتا ہے حالانکہ یہ مصدر نہیں ؟

جواب تعریف میں قید ہے کہ اس سے کوئی چیز نکالی گئی ہو مگر لفظ عُنُقٌ اور رَقَبَۃٌ اور منوالٌ سے کوئی چیز نہیں نکالی گئی۔

لہ : آخر میں دال، نون سے ایسا نون مراد ہے کہ اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو باقی صیغہ ماضی بن جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

تمت بالخیر

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِكَاتِبِهٖ وَلِوَالِدَيْهِ وَلِاَسَاتِذَتِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔

قولہٗ بدانکہ عرب الخ

اس جگہ عرب سے مراد اہلِ عرب ہیں کیونکہ عموماً مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کی طرف نسبت کرتے ہیں چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔

وَاسْئَلِ الْقَرْیَۃَ اَیْ اَھْلَ الْقَرْیَۃِ **قولہٗ** از ہر مصدر الخ

مصدر وہ اسم ہے جو فعل کا مشتق منہ اور ماخذ ہو خواہ حقیقۃً جس جگہ مصدر سے فعل کا مشتق ہونا ثابت ہو جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ خواہ تقدیراً ہو جس جگہ مصدر سے فعل کا مشتق ہونا ثابت نہ ہو جیسے اَشْکَلَ بروزن اَحْمَدَ مصدر ہے اس سے فعل بالکل نہیں آتا۔

سوال: مصدر کی یہ تعریف لَبَنٌ اور خَرِیْفٌ (جو کہ مصدر نہیں بلکہ اسم جامد ہیں) پر صادق آتی ہے کیونکہ لَبَن سے اَلْبَنَ اور خَرِیْفٌ سے اَخْرَفَ مشتق ہیں۔

جواب: لَبَنٌ سے اَلْبَنَ اور خَرِیْفٌ سے اَخْرَفَ اشتقاقِ جعلی سے مشتق ہیں اور اس جگہ اشتقاق سے مراد اشتقاقِ حقیقی ہے۔

قولہٗ دوازدہ چیز الخ یعنی اہلِ عرب ہر مصدر سے بارہ چیزیں اشتقاق کرتے ہیں۔ **قطعہ**

عربی از ہر مصدر مشتق بکنند ایں تمام ۔ فعلِ ماضی و مضارع، امر و نہی و نفی و جحد
اسم فاعل آلہ و مفعول، تفضیل و زماں ۔ ہم مکاں را یاد گرداں جملہ را با جدّ و جہد

سوال: ہر مصدر سے یہ بارہ چیزیں مشتق نہیں مثلاً وہ مصادر جو بمعنی لون و عیب یا غیر ثلاثی مجرد یا افعال ناقصہ یا وہ مصادر جو قابلِ مفاضلت نہ ہوں جیسے "مَاتَ فَنِیَ" ان تمام مصادر سے اسمِ آلہ اور اسمِ تفضیل نہیں آتا اور لازم سے اسمِ مفعول بلکہ بعض کے نزدیک اسمِ آلہ بھی نہیں آتا

حبیٰ بروزن فُعَلیٰ و فُعَل و فِعَل **بدانکہ** اسم بر دو قسم است اسم جامد و اسم مصدر اسم جامد آنست کہ از وے چیزے اشتقاق کردہ نشود و در آخر معنے فارسی او دال و نون و تا و نون نباشد چوں رَجُلٌ و فَرَسٌ و مصدر آنست کہ از وے چیزے اشتقاق کردہ شود و در آخر معنے فارسی او دال و نون یا تا و نون باشد چوں اَلضَّرْبُ زدن و اَلْقَتْلُ کشتن۔

سوال مفروق کو مفروق کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ مفروق کا لغوی معنیٰ ہے جدا کیا گیا، چونکہ مفروق اصطلاحی میں بھی دو حرف علت کو حرف اصلی صحیح کے ذریعہ جدا کیا گیا ہے لہذا اسے مفروق کہا جاتا ہے۔

سوال لفیف مفروق کو "ملتوی" کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ اس کا لغوی معنیٰ ہے لپیٹنے والا، چونکہ اس میں دو حرف علت کے حرف اصلی صحیح کو لپیٹے ہوئے ہیں لہذا اسے ملتوی کہتے ہیں۔

قولہ لفیف مقرون الخ لفیف مقرون وہ کلمہ ہے جس کے عین اور لام کے مقابلہ میں حرف علت ہو جیسے طَوِیٌ اور اگر فاء و عین کے مقابلہ میں حرف علت ہو تو وہ بھی مقرون ہے جیسے وَیْلٌ یَوْمٌ مگر یہ صورت قلیل الاستعمال ہے اور وہ بھی صرف اسم میں ہے لہذا صرفی اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اسے تعریف میں شامل نہیں کرتے۔

سوال مقرون کو مقرون کیوں کہتے ہیں ؟

جواب اس لئے کہ مقرون کا لغوی معنےٰ ہے ایک دوسرے سے ملایا ہوا اور چونکہ مقرون میں بھی دو حروف علت آپس میں ملائے گئے ہیں اور درمیان میں حرف اصلی صحیح فاصل نہیں لہذا اسے مقرون کہتے ہیں۔

معتل بہ سہ حرف وہ کلمہ ہے جس کے حروف اصلیہ کے مقابلہ میں تین حرف علت کے ہوں جیسے وَوَیْتُ و یَیَّیْتُ، اسے معتل الکل اور معتل مطلق بھی کہتے ہیں۔

قولہ اسم بر دو قسم الخ اس سے پہلے اسم کی تقسیم باعتبار ذات کے تھی اب یہ تقسیم باعتبار صفت کے ہے۔

سوال اسم تین قسم پر ہے مصدر، مشتق، جامد مگر دو قسم بنا کر مشتق کو کیوں خارج کیا ؟

جواب اس لئے کہ مشتق مصدر کی فرع ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ اصل کا ذکر کرنے سے فرع کا ضمناً ذکر ہو جاتا ہے۔

قولہ مصدر الخ **سوال** مصدر کی تعریف مانع نہیں ہے کیونکہ یہ تعریف لفظ عُنُقٌ اور رَقَبَۃٌ بمعنے گردن اور منوال بمعنی نوردن پر صادق نہیں آتی کیونکہ ان کا فارسی میں معنی کرنے سے آخر میں دال اور نون آتا ہے حالانکہ یہ مصدر نہیں ؟

جواب[۱] تعریف میں قید ہے کہ اس سے کوئی چیز نکالی گئی ہو مگر لفظ عُنُقٌ اور رَقَبَۃٌ اور منوال سے کوئی چیز نہیں نکالی گئی۔

[۱] : آخر میں دال، نون سے ایسا نون مراد ہے کہ اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو باقی صیغہ ماضی بن جائے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

تمت بالخیر

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِوَالِدَیْہِ وَلِاَسَاتِذَتِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔

قولہٗ بدانکہ عرب الخ

اس جگہ عرب سے مراد اہلِ عرب ہیں کیونکہ عموماً مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ کی طرف نسبت کرتے ہیں چنانچہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اَیْ اَهْلَ الْقَرْيَةِ **قولہٗ** از ہر مصدر الخ

مصدر وہ اسم ہے جو فعل کا مشتق منہ اور ماخذ ہو خواہ حقیقۃً جس جگہ مصدر سے فعل کا مشتق ہونا ثابت ہو جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ خواہ تقدیراً ہو جس جگہ مصدر سے فعل کا مشتق ہونا ثابت نہ ہو جیسے اَنْکَلَ بروزن اَحْمَدَ مصدر ہے اس سے فعل بالکل نہیں آتا۔

سوال: مصدر کی یہ تعریف لَبَنٌ اور خَرِیْفٌ (جو کہ مصدر نہیں بلکہ اسم جامد ہیں) پر صادق آتی ہے کیونکہ لَبن سے اَلْبَنَ اور خَرِیْفٌ سے اَخْرَفَ مشتق ہیں۔

جواب: لَبَنٌ سے اَلْبَنَ اور خَرِیْفٌ سے اَخْرَفَ اشتقاقِ جعلی سے مشتق ہیں اور اس جگہ اشتقاق سے مراد اشتقاقِ حقیقی ہے۔

قولہٗ دوازدہ چیز الخ یعنی اہلِ عرب ہر مصدر سے بارہ چیزیں اشتقاق کرتے ہیں۔ **قطعہ**

عربی از ہر مصدر مشتق بکنند ایں تمام ۔ فعلِ ماضی و مضارع، امر و نہی و نفی و جحد
اسم فاعل، آلہ و مفعول، تفضیل و زماں ۔ ہم مکاں را یاد گرداں جملہ را با جدّ و جہد

سوال: ہر مصدر سے یہ بارہ چیزیں مشتق نہیں مثلاً وہ مصادر جو بمعنی لون وعیب یا غیر ثلاثی مجرد یا افعال ناقصہ یا وہ مصادر جو قابلِ مفاضلت نہ ہوں جیسے "مَاتَ فَنِیَ" ان تمام مصادر سے اسم آلہ اور اسم تفضیل نہیں آتا اور لازم سے اسم مفعول بلکہ بعض کے نزدیک اسم آلہ بھی نہیں آتا

نیز مصنف نے ان بارہ چیزوں کا ذکر کیا حالانکہ ان کے علاوہ بھی کئی چیزیں ہیں جو کہ مصدر سے مشتق ہیں مثلاً فعل تعجب، اسم فعل بر وزن فَعَالِ بمعنی امر حاضر جیسے نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ، نفی تاکید بلن، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ و خفیفہ، صفت مشبہ اور اسم مبالغہ

جواب ۱: ان چیزوں کا ذکر نہ تو بطریق حصر عقلی ہے اور نہ ہی بطریق حصر استقرائی بلکہ اشہر و اغلب اور للاکثر حکم الکل کی بناء پر ہے۔

جواب ۲: صفت مشبہ اور اسم مبالغہ کا ذکر اسم فاعل اور اسم تفضیل میں اور فعل تعجب اور اسم فعل کا امر وغیرہ میں ضمناً ہو گیا جمہور کے نزدیک اشتقاق کہتے ہیں "قدرے تغیر کے ساتھ کسی لفظ کا کسی لفظ سے نکالنا بشرطیکہ ان دونوں لفظوں کے درمیان حروف اصلیہ اور معانی میں مناسبت باقی رہے" جس لفظ سے نکالا جائے اس کو مشتق منہ یا ماخذ کہتے ہیں اور جس کو نکالا جائے اس کو مشتق کہتے ہیں مثلاً ضَرْبٌ سے ضَرَبَ نکالیں تو ضَرْبٌ کو مشتق منہ اور ضَرَبَ کو مشتق کہیں گے اشتقاق تین قسم پر ہے۔ صغیر، کبیر، اکبر، اشتقاق صغیر یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان حروف اصلیہ اور ترتیب میں تناسب ہو جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ اس جگہ یہی اشتقاقِ صغیر مراد ہے اور یہی کثیر الوقوع ہے۔ اشتقاق کبیر یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان حروفِ اصلیہ میں تناسب ہو اور ترتیب نہ ہو جیسے جَذْبٌ سے جَبَذَ اشتقاق اکبر یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان مخرج اور ترتیب میں تناسب ہو۔ جیسے نَهْقٌ سے نَعَقَ مشتق ہے۔

قولہٗ صغیر الخ صرف کا لغوی معنی کسی چیز کو پھیر کر دوسری حالت پر لے جانا اور اہلِ صرف کی اصطلاح میں کسی لفظ کو پھیر کر مختلف صیغوں کی طرف لے جانا تاکہ اُن سے معانی مختلفہ حاصل ہوں صرف کی دو قسمیں ہیں (۱) صرف صغیر (۲) صرفِ کبیر۔ صرف کبیر یہ ہے کہ گردان کے

تمام صیغے ذکر کیے جائیں۔ صرفِ صغیر متقدمین کے نزدیک یہ ہے کہ ہر گردان سے ایک ایک صیغہ ذکر کیا جائے۔ صرف صغیر کے لیے قیاس بھی یہی ہے۔ متاخرین کے نزدیک صرف صغیر اس کو کہتے ہیں کہ بعض گردانوں سے ایک ایک صیغہ اور بعض گردانوں کے تمام صیغے ذکر کیے جائیں۔ چنانچہ مصنف نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

سوال: اس کا نام صرف صغیر و کبیر ہونا چاہیئے؟

جواب: چونکہ صرفِ صغیر میں فعل کا ایک ایک صیغہ ہے اور تعریف میں فعل اصل ہے۔ لہٰذا فعل کے اعتبار سے اس کا نام صرفِ صغیر ہوا۔

سوال: صرف صغیر میں افعال کی گردانوں کا ایک ایک صیغہ اور اسماء کی گردانوں کے تمام صیغے کیوں ذکر کیے گئے؟

جواب: اس لیے کہ افعال کی گردانیں طویل اور اسماء کی گردانیں قصیر ہیں۔

سوال: اسم فاعل اور اسم مفعول کی گردان بھی پوری ذکر کرنی چاہیئے کیونکہ یہ بھی قبیلۂ اسماء سے ہے؟

جواب: چونکہ اسم فاعل اور اسم مفعول عمل کرنے میں قبیلۂ افعال سے ہیں لہٰذا ان پر افعال کا حکم جاری ہوا۔

سوال: اسم تفصیل بھی عمل کرنے میں فعل کی مانند ہے لہٰذا اس پر بھی فعل کا حکم جاری ہونا چاہیئے؟

جواب: اسم تفضیل عمل کرنے میں فعل کی طرح نہیں کیونکہ اسم تفصیل ایک صورت کے علاوہ اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کرتا

سوال: ماضی کو مضارع پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: ماضی مضارع کے لیے اصل کیونکہ مضارع ماضی میں حروف اَتَینَ کی زیادتی سے بنتا ہے۔ گویا کہ ماضی مجرد ہے اور مضارع مزید فیہ اور مجرد اصل ہے اور مزید فیہ فرع لہٰذا ماضی کو مضارع پر مقدم کیا۔

قولہٗ : ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْباً الخ

سوال : صرف صغیر میں فعل ماضی کو مضارع پر مقدم کیوں کیا گیا ؟

جوابِ۱ : اس لیے کہ زمانۂ ماضی حال اور مستقبل پر مقدم ہے ۔

جوابِ۲ : فعل مضارع فعل ماضی سے مشتق ہے تو فعل ماضی اصل ہوا لہٰذا اس کو مقدم کیا گیا ۔

سوال : مصدر کو فعل پر مقدم کیوں نہ کیا ۔ حالانکہ مصدر اشتقاق کے اعتبار سے اصل ہے ؟

جوابِ۱ : فعل کو جو مقدم کیا گیا کوفیوں کے اعتبار سے ہے کیونکہ ان کے نزدیک اشتقاق کے اعتبار سے فعل اصل ہے اور مصدر فرع

جوابِ۲ : اس لیے کہ فعل اعمال و اعلال کے اعتبار سے اصل ہے ۔

جوابِ۳ : اس لیے کہ ضَرْباً معمول ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے اور فعل مذکور اس کا عامل اور عامل معمول پر مقدم ہے

جوابِ۴ : تاکہ ہر دو اسم یعنی ضَرْباً مصدر اور ضَارِبٌ اسم فاعل ایک طرف مذکور ہوں ۔

سوال : عکس کیوں نہ کیا ؟

جواب : [illegible] اسم فاعل فعل مضارع سے مشتق ہے لہٰذا اسم فاعل کو مؤخر کیا اور مصدر کو بھی اس کی مناسبت سے مؤخر کر دیا ۔

سوال : فعل مصدر سے مشتق ہے تو مصدر اصل ہوا لہٰذا مصدر کو فعل پر مقدم کر کے اسم فاعل کو بھی اس کی مناسبت سے مقدم کرتے ؟

جواب : جب اسم اور فعل سے ترکیب ہو تو فعل کو مقدم کرتے ہیں ۔

سوال : ضَرْباً منصوب کیوں ؟

جواب : اس لیے کہ مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق منصوب ہوتا ہے ۔

سوال : ضَارِبٌ اسم فاعل پر هُوَ اور مَضْرُوْبٌ اسم مفعول پر ذَاكَ کیوں لائے ؟

جوابؔ۱ : اسم فاعل اور اسم مفعول اسم کی اقسام سے ہیں جو کہ مستحق اعراب ہیں. تو ان کے لیے اعراب چاہیئے لہٰذا یہ دو لفظ لاتے تاکہ مبتدا واقع ہوں اور یہ خبر ہونے کی بنا ء پر مرفوع ہوں اور صرف صغیر کی ترکیب میں ربطِ معنوی بھی قائم رہے گویا کہ کہنے والا خبر دے رہا ہے کہ اُس مرد نے مارا اور مارتا ہے اور مارے گا. پس وہ مارنے والا ہے.

جوابؔ۲: ضَارِبٌ اور مَضْرُوْبٌ ہر دو صفات ہیں اور صفت کے لیے موصوف کا ہونا ضروری ہے لہٰذا ھُوَ اور ذَاكَ لاتے جو کہ حقیقت میں موصوف ہیں۔

سوال: اسمِ فاعل کے لیے ھُوَ ضمیر کو کیوں خاص کیا ؟

جواب : اس لیے کہ صیغۂ اسم فاعل اسمائے ظواہر سے ہے اور اسمائے ظواہر تمام غائب ہوتے ہیں۔ اور ھُوَ ضمیر غائب سے ان کی بہت زیادہ مناسبت ہے لہٰذا اسم فاعل کے لیے ھُوَ کو خاص کر دیا۔

سوال: اسمِ مفعول کے لیے ذَاكَ کو کیوں خاص کیا حالانکہ صیغہ اسم مفعول بھی اسمِ ظواہر سے ہے لہٰذا اس کے لیے ضمیرِ غائب لاتے ؟

جواب : اسمِ مفعول کے لیے ذَاكَ کو اس لیے خاص کیا تاکہ اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول کے درمیان فرق ہو جائے

سوال : ضَارِبٌ پر ذَاكَ اور مَضْرُوْبٌ پر ھُوَ لانے سے فرق ہو سکتا ہے.

جوابؔ۱ : اشارہ دو قسم پر ہے قریب اور بعید ذَاكَ اسمِ اشارہ ذا کے اعتبار سے بعید ہے اگرچہ ذٰلِكَ کے اعتبار سے قریب ہے اور مفعول بھی اپنے فعل سے فاعل کی بہ نسبت بعید ہے لہٰذا اس مناسبت سے ذَاكَ کو مَضْرُوْبٌ کے لیے خاص کر دیا.

جوابؔ۲ ؛ فاعل عمدہ ہے اور مفعول فضلہ ہے لہٰذا ضمیر غائب کو جو کہ اسماء کے لیے اصل ہے. پہلے فاعل کے لیے خاص کر دیا گیا. بعدہٗ فرق کرنے کے لیے

ذالک کو مفعول کے لیے خاص کر دیا۔

سوال: صرف صغیر میں مصدر کا دو دفعہ ذکر کیوں؟

جواب: مصدر دو قسم پر ہے۔ مصدر معلوم، مصدر مجہول۔ کیونکہ مصدر حدث پر دال ہے اور حدث جب متعدی ہو تو اس کی نسبت فاعل اور مفعول ہر دو کی طرف ہوتی ہے جب حدث کا اعتبار من حیث الانتساب الی الفاعل کریں تو اس مصدر کو مصدر معلوم یا مصدر مبنی للفاعل کہتے ہیں مثلاً ضَرْبٌ بمعنی ضاربیت مستعمل ہوگا اور اگر من حیث التعلّق بالمفعول ملاحظہ کریں تو اس مصدر کو مصدر مجہول یا مصدر مبنی للمفعول کہیں گے مثلاً ضَرْبٌ بمعنی مضروبیت مستعمل ہوگا۔ لہٰذا صرف صغیر میں مصدر کا ذکر دو مرتبہ ہوا ایک بار معلوم کے صیغوں کے ساتھ دوسری مرتبہ مجہول کے ساتھ مصدر معلوم اور مجہول لفظ ایک ہے اور اس کی اصل وضع معنی معروف کے لیے ہے اور اس میں مجہول کا معنی عارضی ہے جو کہ اس کے مفعول کی طرف نسبت کرنے سے پیدا ہوتا ہے مگر لازم کی طرف صغیر میں فعل مجہول اور اسم مفعول اور مصدر مجہول کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ لازم سے مجہول و مفعول اگر لائیں تو فعل مجہول اور اسم مفعول اور مصدر مجہول کے ساتھ بِہٖ یعنی ضمیر کے ساتھ بائے تعدیہ ملاکر ضُرِبَ بِہٖ یُضْرَبُ بِہٖ ضَرْبًا بِہٖ مَضْرُوْبٌ بِہٖ پڑھنا چاہیئے۔ البتہ صرفی کبھی تعدی ولزوم کا خیال نہ کرتے ہوئے متعلّم کی سہولت کے لیے ہر باب کی صرف صغیر میں مجہول و مفعول اور مصدر مجہول کا ذکر ضمیر اور بائے تعدیہ کے بغیر کر دیتے ہیں۔

سوال: فَھُوَ میں فاء کیا ہے؟

جواب: یہ فاء تعقیب کے لیے ہے نیز جزا کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اصل عبارت یوں تھی۔ اِذَا کَانَ الْاَمْرُ کَذٰلِکَ فَھُوَ ضَارِبٌ نیز زائدہ تحسین ہے کلام کے لیے یا تفریع کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

سوال : معروف کو مجہول پر مقدم کیوں کیا ؟
جواب : چونکہ معروف کثی اعتبار سے اصل ہے اور مجہول اس کی فرع اور اصل فرع پر مقدم ہوتی ہے ۔
سوال : مضارع کو اسم فاعل پر کیوں مقدم کیا گیا ؟
جواب : اس لیے کہ مضارع عمل کرنے میں اصل ہے ۔ کیونکہ اسم فاعل نے اعراب کے عوض میں مضارع سے عمل لیا ہے لہٰذا مضارع کا مقدم ہونا اولیٰ ہے
سوال : اسم فاعل کو اسم مفعول پر مقدم کیوں کیا ؟
جواب۱ : اس لیے کہ اسم فاعل اسم مفعول سے اشرف و عمدہ ہے کیونکہ صدورِ فعل فاعل سے ہوتا ہے ۔
جواب۲ : کلام میں اصل مقصود فاعل ہے نہ کہ مفعول کیونکہ یہ کلام میں فضلہ ہے لہٰذا ایسی چیز کا اسم جو عمدہ ہے ایسی چیز کے اسم سے جو فضلہ ہے مقدم ہوا
جواب۳ : اسم فاعل بمنزلہ فعل معلوم ہے اور اسم مفعول بمنزلہ فعل مجہول ہے اور فعل معلوم فعل مجہول کا اصل ہے اور اصل کا فرع پر مقدم ہونا ضروری ہے

سوال : اسم مفعول کو جحد پر مقدم کرنے کی کیا وجہ ہے ؟
جواب : اسم مفعول کی اسم فاعل سے مناسبت ہے کیونکہ یہ فعل مجہول میں فاعل کی جگہ واقع ہوتا ہے اسی لیے اس کو نائب فاعل کہتے ہیں ۔
سوال : جحد کو نفی پر کیوں مقدم کیا گیا ؟
جواب : جحد انکار ماضی ہے اور لَا یُضْرِبُ میں نفی انکارِ مستقبل ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ ماضی مستقبل پر مقدم ہے لہٰذا مناسب یہی تھا کہ انکارِ ماضی انکارِ مستقبل پر مقدم ہو ۔
سوال : نفی کو اَمر پر کیوں مقدم کیا ؟

جواب۱ : اس لیے کہ نفی کی انکار میں جحد سے مناسبت ہے لہٰذا نفی کو امر پر
مقدم کر دیا۔

جواب۲ : نفی کی اخبار میں ماضی و مضارع سے مناسبت ہے جبکہ امر میں انشاء ہے

سوال : امر کو نہی پر مقدم کیوں کیا؟

جواب۱ : اس لیے کہ امر حاضر معروف نہی کی نسبت سے کثیر الاستعمال ہے۔

جواب۲ : اس لیے کہ امر نہی پر شرعاً مقدم ہے کیونکہ شرع میں پہلے ایمان لانے کا حکم ہے بعدہٗ نواہی سے اجتناب کا۔

جواب۳ : اس لیے کہ امر کی دلالت وجود پر اور نہی کی عدم پر اور ظاہر ہے کہ وجود عدم سے اشرف و افضل ہے لہٰذا امر کو مقدم کیا گیا۔

سوال : صرف صغیر میں اَمر کی گردان سے واحد مذکر حاضر کے صیغہ کو غائب کے صیغہ پر کیوں ترجیح دی حالانکہ ماضی مضارع کی گردانوں سے صرف غائب کا صیغہ لاتے ہیں؟

جواب۱ : اس لیے کہ غائب کے اعتبار سے امر حاضر کثیر الاستعمال ہے۔

جواب۲ : اس لیے کہ محققین کے نزدیک امر حاضر معروف ہی اَمر ہے اور فعل کا تیسرا قسم ہے ان کے نزدیک بالام اصل میں اَمر نہیں بلکہ مضارع مجزوم ہے

جواب۳ : امر حاضر معروف میں غائب کی بہ نسبت تبدیلی بہت زیادہ واقع ہوتی ہے

سوال : نہی کے لیے واحد مذکر حاضر کا صیغہ کیوں لاتے؟

جواب : امر کی موافقت کے لیے نیز نہی حاضر غائب کی بہ نسبت کثیر الاستعمال ہے

سوال : نہی کو اسم ظرف پر مقدم کیوں کیا؟

جواب : نہی امر کا مقابل ہے کیونکہ امر طلبِ فعل پر دلالت کرتا ہے اور نہی طلبِ عدمِ فعل پر یعنی امر کسی کام کے متعلق کہنا اور نہی کسی کام سے منع کرنا لہٰذا شئ کو ہم مقابل شئ کے ساتھ ذکر کرنا اَولیٰ ہے۔

سوال : اسمِ ظرف کو اسمِ آلہ پر مقدم کیوں کیا؟

جواب: اس لیے کہ اسم ظرف کی مفعول کے ساتھ مفعولیت میں مشابہت ہے کیونکہ یہ صدورِ فعل کے لیے محل ہے۔

سوال: اسمِ آلہ کو اسمِ تفصیل پر مقدم کیوں کیا گیا؟

جوابؑ: اس لیے کہ اسمِ آلہ شکل وصورت میں اسمِ ظرف کے مشابہ ہے نیز اس لیے کہ بعض افعال آلہ پر موقوف ہیں۔

جوابؒ: اسمِ آلہ اسمِ تفصیل سے کثیر الوقوع ہے کیونکہ اسمِ آلہ ہر فعل ثلاثی مجرد سے آتا ہے مگر اسمِ تفصیل ایسے فعل سے نہیں آتا جو بمعنی لون وعیب ہو یا قابلِ مفاضلت نہ ہو۔

قولہٗ: بدانکہ فعل حدث است الخ۔ حدث یعنی کام کو فعل کہتے ہیں حدث نئے کام کو کہتے ہیں اور اس کام کے کرنے والے کو فاعل کہتے ہیں۔ اگر اس کام کے کرنے والا ایک ہو تو اس صیغہ کا نام واحد یا اگر کام کرنے والے دو ہوں تو اس کا نام صیغہ تثنیہ، دو سے زیادہ ہوں تو اس کا نام صیغہ جمع ہوگا بشرطیکہ فاعل مضمر ہو۔ اگر اس کام کے کرنے والا مذکر ہو تو صیغہ مذکر اگر مؤنث ہو تو صیغہ مونث ہوگا۔ اگر اس کام کا کرنے والا خود کلام کرنیوالا ہو تو اس کا نام صیغہ متکلم اگر اس کام کے کرنے والا وہ ہو جس سے کلام کی جاتی ہے تو اس کا نام صیغہ مخاطب اگر اس کام کے کرنے والا وہ ہے جس کی بات متکلم اور مخاطب کے درمیان ہو رہی ہے تو اس صیغہ کا نام غائب ہوگا الغرض صیغہ فعل کا نام مجازاً اس کے فاعل کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ خود فعل حقیقۃً تثنیہ جمع مذکر مؤنث غائب مخاطب متکلم نہیں ہوتا اس لیے کہ یہ اسم کی علامتیں ہیں اور فعل صرف واحد ہوتا ہے فعل کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل ہو تو اس کو صرفیوں کی اصطلاح میں سہ اقسام میں سے اسم نہیں بلکہ فعل کہتے ہیں۔ مثلاً ضَرَبُوْا کو سہ اقسام سے مجازاً فعل کہیں گے ورنہ حقیقۃً اس کو فعل اور اسم کہنا چاہیئے۔

سوال : فعل تثنیہ جمع کیوں نہیں ؟

جواب : اس لیے کہ فعل میں ضمیر مرفوع متصل ہوتی ہے جو کہ تثنیہ جمع کی علامت بھی ہے اگر فعل بھی تثنیہ جمع ہو تو ایک ہی کلمہ میں دو علامتیں جمع ہوں گی جو کہ ممنوع ہیں

جواب : فعل کا مفہوم ثقیل ہے کیونکہ زمانہ اور حدث سے مرکب ہے لہٰذا اگر فعل بھی تثنیہ جمع ہوتا تو ثقل در ثقل لازم آتا ۔

قولہ : ماضی بر دو قسم است الخ ماضی واحد مذکر اسم فاعل باب ضَرَبَ اس کا لغوی معنیٰ "گزرنے والا" اور اصطلاح میں ماضی اس فعل کو کہتے ہیں جو زمانہ گذشتہ میں کسی کام کے واقع ہونے پر دلالت کرے جیسے ضَرَبَ مارا اس نے گذشتہ زمانہ میں ۔

سوال : ماضی کی یہ تعریف جامع مانع نہیں . جامع اس لیے نہیں کہ مثلاً " اِن ضَرَبَ میں ضَرَبَ فعل ماضی ہے مگر اس کی دلالت زمانہ گذشتہ پر نہیں بلکہ زمانہ مستقبل پر ہے کیونکہ اِن ضَرَبَ کا معنی ہے اگر مارے گا وہ اسی طرح نِعْمَ بِئْسَ اور سَاءَ اور مانع اس لیے نہیں کہ مثلاً لَمْ یَضْرِبْ میں یَضْرِبْ فعل مضارع ہے ماضی نہیں مگر اس کی دلالت زمانہ گذشتہ پر ہے نہ کہ زمانہ آئندہ پر کیونکہ لَمْ یَضْرِبْ کا معنی ہے نہیں مارا اس نے ۔

جواب : تعریف میں زمانہ گذشتہ سے مراد دلالت وضعی ہے اور اِنْ ضَرَبَ میں آئندہ زمانہ پہ جو دلالت ہے عارضی ہے جو کہ اِنْ کی وجہ سے ہے اسی طرح لَمْ یَضْرِبْ میں زمانہ گذشتہ پر جو دلالت ہے یہ بھی عارضی ہے کیونکہ لفظ لَمْ کی وجہ سے ہے لہٰذا ماضی کی یہ تعریف جامع مانع ہے ۔

قولہ ماضی معلوم را چہاردہ صیغہ است الخ صیغہ اصل میں صِوْغَۃٌ تھا . واؤ ساکنہ بعدہ کسرہ کے یاء ہو گئی بعد میں تا بوجہ وقف ہاء ہو گئی صِیْغَہٌ ہو الغت میں اس کا معنی ہے "پیدائش" اور "مثال مستقیم پر کسی چیز کا مہیا کرنا" "ڈھالنا" اور "سونے کا کوٹھالی میں ڈالنا" نیز صیغہ بمعنی اصل بھی آیا چنانچہ کہا جاتا

ہے هُوَ مِنْ صِيغَةِ كَرِيمَةٍ (وہ اصل بزرگ سے ہے) اور اصطلاح میں ایسی شکل وصورت کو صیغہ کہتے ہیں جو حروف کو مع حرکات وسکنات ترتیب دینے سے حاصل ہو۔

سوال: قِ صیغہ امر کا ہے اس میں ترتیبِ حروف نہیں بلکہ اس میں ایک حرف ہے؟

جواب: ترتیب حروف سے مراد اصل کے اعتبار سے ہے چنانچہ اس کا اصل اِوْقِ تھا واؤ اور ہمزہ حذف ہوتے۔

فعل ماضی معلوم کے چودہ صیغے ہیں چھ غائب ہیں چھ مخاطب اور دو حکایت نفس متکلم کے لیے ہیں۔

سوال: قیاس تو چاہتا ہے کہ تعدّد اقسام فاعل کے اعتبار سے اٹھارہ صیغے ہوں اس لیے کہ فاعل غائب ہوگا یا مخاطب یا متکلم پھر ایک مذکر ہوگا یا مؤنث اس طرح یہ چھ قسمیں ہوں گی لہٰذا اٹھارہ صیغے ہونے چاہئیں۔

جواب: واحد متکلم کا صیغہ واحد مذکر اور واحد مؤنث میں مشترک ہے دوسرا صیغہ متکلم مع الغیر تثنیہ اور جمع مذکر اور مؤنث کے درمیان مشترک ہے لہٰذا ان دو صیغوں کو چھ صیغوں کی جگہ متصوّر کریں گے جب ان دو کو چھ کی جگہ شمار کر کے چار کو ساقط کریں تو اٹھارہ میں سے باقی چودہ صیغے رہ جائیں گے۔

سوال: ضَرَبْتُمَا تثنیہ مذکر ومونث حاضر کے درمیان ہے تو چاہیئے تھا کہ ان دو کو ایک شمار کر کے تیرہ صیغے لاتے جیسا کہ صاحب فصولِ اکبری وعلم الصیغہ نے کیا؟

جواب: اس کو دوبارہ اس لیے ذکر کیا تاکہ مبتدی کو بآسانی سمجھ آجائے۔

سوال: ماضی مضارع میں صیغوں کو مشترک کرنے کی وجہ کیا ہے حالانکہ ہر صیغہ میں اُصل یہی ہے کہ ایک معنی کے لیے مختص ہو تاکہ التباس لازم نہ آئے؟

جواب: چونکہ متکلم عموماً مخاطب کے رُوبرو ہوتا ہے اور اس میں رفع التباس روئت سے حاصل ہے لہٰذا اختصار کے لیے اشتراک کو اختیار کیا اور متکلم

پس پردہ ہو تو مذکر مؤنث کی آواز سے امتیاز ہو سکتا ہے اسی طرح مخاطب اکثر متکلم کے روبرو ہوتا ہے اور رفع التباس اس میں بھی متصور ہے مگر چونکہ مخاطب میں متکلم کے اعتبار سے رفع التباس کمتر ہے لہٰذا مخاطب میں ایک صیغہ کو مشترک کیا۔

سوال: ماضی میں دو اور مضارع میں چار صیغوں کو مشترک کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مضارع میں لفظاً اور معنیً ثقل ہے جو کہ ماضی میں نہیں لہٰذا مضارع میں ایک اور صیغہ کو مشترک کر دیا تاکہ تخفیف لفظی اور معنوی حاصل ہو۔

قولہٗ ضَرَبَ الخ ضَرَبَ واحد مذکر غائب ماضی معروف کو ضَرْبًا مصدر سے بناتے ہیں پہلا حرف مفتوح تھا دوسرے کو فتحہ دے کر تنوین تمکّن علامت اسمیت کو آخر سے حذف کر کے فتحہ پر مبنی کر دیا ضَرَبَ ہوا۔

فائدہ: تنوین نون ساکن زائدہ کو کہتے ہیں جو کہ آخر کلمہ میں ماقبل حرکت کے تابع ہو اور تاکید کے لیے نہ ہو۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں ۱۔ تنوین تمکّن

۲۔ تنوین تنکیر ۳۔ تنوین مقابلہ ۴۔ تنوین عوض ۵۔ تنوین ترنّم۔

۱۔ تنوین تمکّن وہ ہے جو اسم منصرف کے آخر میں لاحق ہو جیسے زیدٌ، رجلٌ اس کو تنوین تمکن اور تنوین صرف اور تنوین امکنیہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ تنوین مقابلہ۔ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں لاحق ہو یہ تنوین نون جمع مذکر سالم کے مقابلہ میں ہے جیسے مسلماتٌ یہ بھی اسم منصرف کے ساتھ خاص ہے۔

۳۔ تنوین تنکیر۔ جو معرفہ اور نکرہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے اسم مبنی کے آخر میں لاحق ہو یہ تنوین اسمائے افعال مختوم بہا کے آخر میں سماعًا لاحق ہوتی ہے جیسے صَهْ (اب اس وقت خاموش ہو) اور صَهٍ (کسی وقت خاموش ہو) اور ایسے اعلام جن کے آخر میں وَیہ ہو قیاسًا لاحق ہوتی ہے۔ جیسے سیبویہ اور سیبویہٍ

۴۔ تنوین عوض۔ جو کسی چیز کے عوض ہو۔ یہ تین قسم پر ہے (۱) جملہ کے عوض اِذْ کے ساتھ لاحق ہو مثلاً یَوْمَئِذٍ دراصل یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذَا میں کَانَ

كَذَا جملہ کو حذف کر کے اس کے عوض اِذْ کے ساتھ تنوین زیادہ کر دی۔
يَوْمَئِذٍ اسی طرح وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ میں دراصل وَ اَنْتُمْ حِيْنَ اِذْ بَلَغَتِ الرُّوْحُ الْحُلْقُوْمَ بَلَغَتِ الرُّوْحُ الْحُلْقُوْمَ کو حذف کر کے اس کے عوض اِذْ کے ساتھ تنوین لاحق کر دی حِيْنَئِذٍ ہوا۔

(۲) اسم مفرد کے عوض کُلٌّ کے ساتھ لاحق ہو مثلاً کُلٌّ قَائِمٌ دراصل کُلُّ اِنْسَانٍ قَائِمٌ الانسان اسم مفرد کو حذف کر کے اس کے عوض کُلٌّ قائم ہوا۔

(۳) حرف کے عوض جیسے جَوَارٍ دراصل جَوَارِیْ جمع اقصیٰ رفعی جری حالت میں یاء کو گرا کر اس کے عوض آخر میں تنوین ملا دی جَوَارٍ ہوا۔ یہ تنوین اسم مبنی جیسے اِذْ اور اسم منصرف جیسے کُلٌّ اور اسم غیر منصرف جیسے جَوَارٍ غَوَاشٍ کے ساتھ آتی ہے۔

(۵) تنوین ترنم ۔ جو کہ قوافی مطلقہ کے آخر حرف علت کے عوض لاحق ہو جیسے ؏ اَقِلِّي اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالْعِتَابَنْ فَقُوْلِيْ اِنْ اَصَبْتُ لَقَدْ اَصَابَنْ
ترجمہ: اے ملامت کرنیوالی! یہ ملامت اور غصہ ذرا کم کر اگر میں کوئی ٹھیک کام کروں تو پھر کبھی تو یہ بھی کہہ دیا کر اس نے ٹھیک کیا ہے۔

یہ تنوین اسم کے علاوہ فعل اور حروف کے آخر میں بھی آتی ہے۔
رَجُلٌ میں تنوین تمکن ہے نہ کہ تنوین تنکیر اس لیے کہ رَجُلٌ کو اگر علم بنائیں تو یہ تنوین اپنی حالت پر رہے گی کذا فی المغنی)
اسی طرح رَبُّنا احمدٍ و ابراہیمٍ میں تنوین تنکیر ہے نہ کہ تمکن۔ شارح رضی نے کہا ایک ہی تنوین تنوین تمکن بھی ہوا و رتنوین تنکیر بھی ہو تو کوئی حرج نہیں لہٰذا رَجُلٌ میں تنوین تمکن بھی ہو سکتی ہے اور تنکیر بھی البتہ حالتِ علمیت میں صرف تمکن ہو گی۔

سوال: تنوین اسم کے ساتھ کیوں خاص ہے؟
جواب: چونکہ تنوین الف لام اور اضافت کی ضد ہے کیونکہ یہ دونوں تعریف

کے لیے ہیں اور تنوین تنکیر کے لیے ہے اور یہ دونوں اسم کے ساتھ خاص ہیں لہذا نقیض کو نقیض پر قیاس کر کے اس کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا۔

سوال: فعل کے لیے تنوین بطریق اولیٰ ہونی چاہیئے کیونکہ فعل بھی نکرہ ہوتا ہے اور یہ بھی تنکیر کے لیے ہے۔

جواب ۱: یہ صحیح ہے مگر تنوین اپنے مابعد سے انفصال کو چاہتی ہے اور فعل اپنے فاعل کے ساتھ اتّصال کو چاہتا ہے لہٰذا ان دونوں کے لیے منافاۃ ہے۔

جواب ۲: تنوین اسم کے ساتھ اس لیے مختص ہے کہ تنوین تمکّن کے لیے ہوگی یا مضاف الیہ کے عوض یا اسمائے افعال میں معرفہ نکرہ کے مابین فرق کرنے کے لیے یا جمع مؤنث سالم میں مقابلہ کے لیے ہوگی چونکہ ان میں سے ہر ایک اسم کے سوا متصوّر نہیں ہو سکتا لہٰذا تنوین اسم کے ساتھ مختص ہو گئی۔

سوال: اسم فاعل اور اسم مفعول بھی اپنے فاعل کے ساتھ اتّصال کو چاہتے ہیں لہٰذا ان کے ساتھ تنوین لاحق نہیں ہونی چاہیئے۔

جواب: ان ہر دو کا فاعل کو چاہنا نہ چاہنے کے حکم میں ہے کیونکہ ان کا فاعل کو چاہنا فرعی ہے۔

فائدہ: ماضی معروف سہ حرفی میں پہلا حرف مفتوح ہوگا اور دوسرا کبھی مفتوح جیسے نَصَرَ اور کبھی مکسور جیسے عَلِمَ اور کبھی مضموم ہوگا جیسے کَرُمَ

اور چہار حرفی میں پہلا اور تیسرا مفتوح دوسرا ساکن ہوگا جیسے اَکْرَمَ صَرَّفَ۔ قَاتَلَ۔ دَحْرَجَ۔ پانچ حرفی جس کے اوّل میں تاء ہو۔ پہلا دوسرا چوتھا مفتوح تیسرا ساکن ہوگا جیسے تَقَبَّلَ تَقَابَلَ پانچ حرفی جس کے اوّل میں ہمزہ ہو پہلا مکسور تیسرا چوتھا مفتوح اور دوسرا ساکن ہوگا۔ اِجْتَنَبَ۔ اِنْفَطَرَ شش حرفی میں پہلا مکسور تیسرا پانچواں مفتوح اور دوسرا چوتھا ساکن ہوگا جیسے اِسْتَنْصَرَ وغیرہ

سوال: مبنی کون سا صیغہ ہے۔

جواب: بَنیٰ یَبْنِیْ بِنَاءً سے اسم مفعول ہے۔ اصل میں مَبْنُوْیٌ تھا واؤ کو یاء کرکے ادغام کیا بعدہٗ ماقبل ضمہ کو گرا کر نون کو کسرہ دیا مَبْنِیٌّ ہوا۔ ایک یاء کو تخفیف کے لیے حذف کیا مَبْنِیْ ہوا۔

سوال: مبنی کسے کہتے ہیں؟

جواب: صرفیوں کی اصطلاح میں مبنی وہ کلمہ ہے جو کسی کلمہ سے بنایا گیا ہو اس کو ماخوذ اور مشتق بھی کہتے ہیں اور مبنی منہ اس کلمہ کو کہتے ہیں جس سے کوئی کلمہ بنایا گیا ہو اس کو ماخذ اور مشتق منہ بھی کہتے ہیں مثلاً ضَرْبٌ مصدر سے ضَرَبَ بنائیں تو ضَرَبَ کو مبنی یا مشتق یا ماخوذ کہیں گے اور ضَرْبٌ کو مبنی منہ یا مشتق منہ یا ماخذ کہیں گے اور نحویوں کی اصطلاح میں مبنی ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کا آخر عامل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جائے اس کی ضد معرب ہے

سوال: ماضی کے مبنی ہونے پر کیا دلیل ہے؟

جواب: محتاجِ دلیل وہی چیز ہوتی ہے جو خلافِ اصل ہو اور جو چیز اپنے اصل پر ہے وہ محتاجِ دلیل نہیں چونکہ افعال میں اصل بناء ہے اور اسماء میں اصل اعراب ہے لہٰذا فعل ماضی کے مبنی ہونے پر دلیل کی ضرورت نہیں اور اصل وضع پر اعتراض حماقت ہوگا۔

سوال: فعل میں اصل بناء اور اسم میں اصل اعراب کیوں؟

جواب: اس لیے کہ فعل میں موجباتِ اعراب نہیں پائے جاتے اور اسم میں پائے جاتے ہیں۔

سوال: موجباتِ اعراب کیا ہیں؟

جواب: موجباتِ اعراب وہ فاعلیت اور مفعولیت اور اضافت میں سے معانی مختلفہ کا اس پر وارد ہونا چنانچہ ہر ایک کی الگ الگ علامات ہیں۔ مثلاً علامتِ فاعل رفع اور علامتِ مفعول نصب اور علامتِ اضافت جر

ہے اور فعل نہ فاعل واقع ہوتا ہے نہ مفعول وغیرہ ۔

سوال : ماضی حرکت پر مبنی کیوں ؟

جواب : اگرچہ فعل میں اصل بناء ہے اور بناء میں اصل سکون مگر ماضی کی اسم فاعل سے نکرہ کی صفت واقع ہونے میں مشابہت واقع ہوگئی جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَرَبَ یا ضَارِبٍ اور اسم فاعل معرب ہے لہٰذا معرب کی مشابہت سے ماضی حرکت پر مبنی ہوگئی ۔

سوال : بناء میں اصل سکون کیوں ؟

جواب : اس لیے کہ بناء اعراب کی ضد ہے اور اعراب میں اصل حرکت ہے اور حرکت کی ضد سکون ہے لہٰذا بناء میں اصل سکون ہے ۔

سوال : اسم کی مشابہت نے ماضی کو اصل بناء سے کیوں خارج کر دیا ؟

جواب : چونکہ اسم اصل میں معرب ہے اور ماضی کی بناء معرب کی مشابہت سے کمزور ہوگئی لہٰذا اسم کی مشابہت نے ماضی کو اصل بناء یعنی سکون سے خارج کر دیا ۔

سوال : ماضی کو بھی اسم معرب کی مشابہت سے مضارع کی طرح معرب ہونا چاہیئے ۔

جواب : چونکہ ماضی کی اسم سے مشابہت من کلّ الوجوہ نہیں بلکہ بعض وجوہ میں ہے اور بعض میں نہیں لہٰذا ماضی کو اسم کے بعض احکام کا حکم دے دیا کہ حرکت پر مبنی کر دیا مگر بعض وجوہ میں چونکہ مشابہت نہیں لہٰذا اسم کے بعض احکام کا حکم نہ دیا یعنی معرب نہ کیا ۔

فائدہ : علامہ رضی نے کہا کہ فعل میں اصل بناء ہے مگر فعل مضارع کی اسم سے مشابہتِ تامّہ ہوگئی لہٰذا مضارع معرب ہوگیا اور ماضی کی اسم سے مشابہت تو ہے مگر ناقصہ ہے لہٰذا حرکت پر مبنی ہوگئی اور امر حاضر کی اسم

سے قطعاً مشابہت نہیں لہٰذا یہ اصل سکون پر مبنی رہا۔

سوال: ماضی کا آخر فتحہ پر مبنی کیوں ضمہ یا کسرہ پر کیوں نہیں؟

جوابؔ: ضمہ ثقیل ہے اور فعل بھی لفظاً اور معنیً ثقیل ہے کیونکہ فعل ساکن الاوسط بالاصالت نہیں نیز حدث اور زمانہ اور نسبت الی الفاعل کا محتاج ہے اگر ضمہ یا کسرہ دیتے تو ثقل در ثقل لازم آتا لہٰذا فتحہ پر مبنی کر دیا کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے البتہ جب واؤ ضمیر لاحق ہو تو واؤ کی موافقت کے لیے ضمہ پر جیسے ضَرَبُوْا اور اگر ضمیر متحرک لاحق ہو تو توالی اربع حرکات سے بچنے کے لیے سکون پر مبنی ہوگا۔ جیسے ضَرَبْنَ ضَرَبْتَ۔

جوابؔ۲: فتحہ اخت سکون ہے اس لیے کہ فتح الف کی جزء ہے کیونکہ الف دو فتحہ سے مرکب ہے اور لازم السکون ہے یعنی ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور لازم السکون کی جزء حقیقت میں ساکن ہے کیونکہ جزء کل میں داخل ہے تو گویا یہ اصل یعنی سکون پر مبنی ہے۔

سوال: دَعَا اور رَمٰی کا آخر فتحہ پر مبنی نہیں بلکہ سکون پر مبنی ہے حالانکہ یہ ماضی کے صیغے ہیں۔ لہٰذا ان کا آخر فتحہ پر مبنی ہونا چاہیئے؟

جوابؔ۱: فتحہ پر مبنی سے مراد اصل کے اعتبار سے ہے اور اصل دَعَا کا دَعَوَ اور اصل رَمٰی کا رَمَیَ تھا واؤ، یاء کو الف بنا دیا۔ دَعَا رَمٰی ہوا تو معلوم ہوا کہ دَعَا رَمٰی کا اصل فتحہ پر مبنی تھا یہ سکون جو ہے عارضی ہے اور سکون عارضی حکم حرکت میں ہے لہٰذا اصل کے اعتبار سے ان کا آخر فتحہ پر مبنی ہے

جوابؔ۲: ماضی کے آخر میں جب الف مبدلہ مثل دَعَا یا ضمیر متحرک لاحق ہو تو سکون پر مبنی ہوگی۔ مثل ضَرَبْنَ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا الخ اگر واؤ ضمیر ساکن لاحق ہو تو ضمہ پر مبنی ہوگا مثل ضَرَبُوْا۔

سوال: فتحہ اور نصب کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب: فتحہ زبر کو کہتے ہیں اور نصب ایسی زبر یا قائم مقام زبر کو کہتے ہیں جو

کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہو مثلاً ضَرَبَ میں ضاد راء باء کی زبر کو فتحہ کہیں گے نصب نہیں کہہ سکتے کیونکہ نصب کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور ضَرَبَ مبنی ہے نیز ضاد راء باء پہ زبر عامل کی وجہ سے نہیں نیز لَنْ یَّفْعَلَ میں یاء اور عین پر جو زبر ہے یہ بھی فتحہ ہے نصب نہیں کیونکہ کلمہ یَفْعَلَ اگرچہ معرب ہے مگر یاء اور عین کی زبر آخر کلمہ میں نہیں بلکہ اوّل اور درمیان میں ہے لہٰذا جو زبر کلمہ کے اول یا درمیان ہو وہ فتحہ ہے نصب نہیں کیونکہ کلمہ کا اول معرب نہیں بلکہ مبنی ہوتا ہے البتہ لَنْ یَّفْعَلَ کے آخر لام پر جو زبر ہے اس کو فتحہ بھی کہہ سکتے ہیں اور نصب بھی کیونکہ یہ زبر کلمۂ معرب کے آخر میں لفظ لَنْ عامل کی وجہ سے ہے نیز اِنَّ الْمُسْلِمَاتِ عَالِمَاتٌ میں مُسْلِمَاتِ کے آخر میں تاء کے نیچے جو زیر ہے اس کو فتحہ نہیں البتہ اس کو نصب کہیں گے کیونکہ یہ اگرچہ زبر تو نہیں بلکہ زیر ہے مگر یہ زیر زبر کے قائم مقام ہے اور کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہے اسی طرح رَاَیْتُ اَبَاكَ میں اَبَا کا الف فتحہ نہیں بلکہ نصب ہے کیونکہ کلمۂ معرب کے آخر میں رَاَیْتُ فعل کی وجہ سے ہے جو کہ عامل ہے۔

سوال: کسرہ اور جر کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب: کسرہ زیر کو کہتے ہیں اور جر ایسی زیر یا قائم مقام زیر کو کہتے ہیں جو کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہو مثلاً یَضْرِبُ میں راء کے نیچے جو زیر ہے اس کو کسرہ کہیں گے جر نہیں کہیں گے کیونکہ جر کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ کلمہ کے درمیان ہے نیز یہ زبر عامل کی وجہ سے نہیں نیز تَرَاكِ میں کاف کے نیچے جو زیر ہے یہ بھی کسرہ ہے جر نہیں کیونکہ تَرَاكِ اسم فعل ہے بمعنی اُتْرُكْ مبنی ہے اور یہ زیر عامل کی وجہ سے نہیں نیز مَرَرْتُ بِاَحْمَدَ میں دال پر جو زبر ہے اس کو کسرہ نہیں بلکہ اس کو جر کہیں گے کیونکہ یہ زیر تو نہیں زبر ہے مگر یہ زبر زیر کے قائم مقام ہے اور

کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہے وَقِسْ عَلَیْہِ مَرَرْتُ بِاَبِیْكَ وغیرہ

سوال: ضمّہ اور رفع کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب: ضمّہ پیش کو کہتے ہیں اور رفع ایسی پیش یا قائم مقام پیش کو کہتے ہیں جو کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہو مثلاً ضُرِبَ میں ضاد پر جو پیش ہے اس کو ضمّہ کہیں گے رفع نہیں کیونکہ رفع کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ اوّل کلمہ میں ہے نیز یہ کلمہ مبنی ہے معرب نہیں اور یہ ضمّہ عامل کی وجہ سے نہیں نیز جَاءَ الرَّجُلُ میں لام پر جو پیش ہے اس کو ضمّہ بھی کہہ سکتے ہیں اور رفع بھی کیونکہ یہ کلمۂ معرب کے آخر میں جَاءَ عامل کی وجہ سے ہے نیز جَاءَ اَبُوْكَ میں واؤ ضمّہ نہیں بلکہ رفع ہے جو پیش کے قائم مقام ہے وَقِسْ عَلَیْہِ الْبَوَاقِیْ۔

سوال: مفتوح اور منصوب کے درمیان فرق کیا ہے؟

جواب: مفتوح زبر والے حرف کو کہتے ہیں اور منصوب ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کے آخر زبر یا قائم مقام زبر عامل کی وجہ سے ہو مثلاً ضَرَبَ میں حرف ضَاد یا راء یا باء کو مفتوح کہیں گے مگر تمام کلمہ کو مفتوح نہیں کہیں گے اور تمام کلمہ کو منصوب بھی نہیں کہہ سکتے۔

کیونکہ منصوب ہونا کلمۂ معرب کے ساتھ خاص ہے اور یہ مبنی ہے اسی طرح لَنْ یَّضْرِبَ میں یاء اور باء کو مفتوح کہیں گے البتہ لَنْ یَّضْرِبَ میں یَضْرِبَ تمام کلمہ کو منصوب کہیں گے کیونکہ اس کے آخر میں زبر لفظ لَنْ کی وجہ سے ہے اسی طرح اِنَّ الْمُسْلِمَاتِ عَالِمَاتٌ میں اَلْمُسْلِمَاتِ تمام کلمہ کو منصوب کہیں گے کیونکہ یہ ایسا کلمہ ہے جس کے آخر میں زیر ہے جو کہ حرف اِنَّ عامل کی وجہ سے ہے اسی طرح رَأَیْتُ اَبَاكَ میں اَبَا تمام کلمہ کو منصوب کہیں گے کیونکہ اس کے آخر میں زبر تو نہیں مگر الف زبر کے قائم مقام ہے جو کہ عامل کی وجہ سے ہے۔

سوال: مکسور اور مجرور کے درمیان فرق کیا ہے؟
جواب: مکسور زیر والے حرف کو کہتے ہیں اور مجرور ایسے کلمۂ معرب کو کہتے ہیں جس کے آخر میں عامل کی وجہ سے زیر یا قائم مقام زیر ہو مثلاً مَرَرْتُ بِهٰؤُلَاءِ میں باء اور آخری ہمزہ کو مکسور تو کہہ سکتے ہیں مگر مجرور نہیں کہیں گے بلکہ هٰؤُلَاءِ میں تمام کلمہ کو بھی مجرور نہیں کہیں گے کیونکہ هٰؤُلَاءِ مبنی ہے البتہ اس کو مجرور محلی کہا جاتا ہے محلاً مجرور کا مطلب یہ ہے کہ یہ کلمۂ مبنی ایسے مقام میں واقع ہے کہ جہاں اگر معرب آتا تو مجرور ہوتا اسی طرح مَرَرْتُ بِحَبِيْبٍ میں سے پہلی باء مکسور ہے مجرور نہیں البتہ بِحَبِيْبٍ تمام کلمہ کو مجرور کہیں گے اسی طرح مَرَرْتُ بِأَبِيْكَ میں باء مکسور ہے مجرور نہیں مگر أَبِيْ تمام کلمہ کو مجرور کہیں گے اگرچہ آخر میں زیر تو نہیں مگر یہ یاء زیر کے قائم مقام ہے اور یہ عامل کی وجہ سے ہے۔

سوال: مضموم اور مرفوع کے درمیان فرق کیا ہے؟
جواب: مضموم پیش والے حرف کو کہتے ہیں اور مرفوع ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کے آخر میں عامل کی وجہ سے پیش یا قائم مقام پیش ہو مثلاً جَاءَ الرَّجُلُ میں جیم اور لام مضموم تو ہیں مگر مرفوع نہیں البتہ رَجُلُ تمام کلمہ مرفوع ہے۔ کیونکہ رَجُلُ معرب ہے اور اس کے آخر میں پیش عامل کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح جَاءَ أَبُوْكَ میں باء مضموم ہے مگر مرفوع نہیں البتہ أَبُوْ تمام کلمہ مرفوع ہے کیونکہ یہ معرب ہے اور اس کے آخر میں واؤ جَاءَ عامل کی وجہ سے ہے جو کہ پیش کے قائم مقام ہے۔

سوال: حرکت اور اعراب کے درمیان فرق کیا ہے؟
جواب: حرکت، زبر، زیر، پیش کو کہتے ہیں اور اعراب ایسی زیر، زبر، پیش یا تبدیلی کو کہتے ہیں جو کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہو مثلاً لَمْ يَضْرِبْ میں با پر جو سکون ہے حرکت نہیں بلکہ اعراب ہے کیونکہ یہ جزم تبدیلی ہے

جو کہ کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہوتی ہے اسی طرح لَنْ یَّضْرِبَ میں یاء پر زبر راء کے نیچے زیر حرکت ہے البتہ لَنْ یَّضْرِبَ کے آخر باء پر زبر کو حرکت کہیں گے اور اس کو اعراب بھی کہیں گے کیونکہ یہ کلمۂ معرب کے آخر میں لفظ لَنْ عامل کی وجہ سے ہے اسی طرح جَاءَ اَبُوْكَ میں واؤ کو حرکت نہیں کہیں گے البتہ یہ اعراب ہے۔

سوال : جزم اور سکون کے درمیان فرق کیا ہے ؟

جواب : سکون حرکت کے نہ ہونے کو کہتے ہیں اور جزم اس حرکت کے یا اس کے قائم مقام کے نہ ہونے کو کہتے ہیں جو کلمۂ معرب کے آخر میں عامل کی وجہ سے ہو مثلاً لَمْ یَضْرِبْ میں ضاد پر سکون ہے جزم نہیں البتہ باء پر زبر زیر پیش نہیں اس کو سکون بھی کہہ سکتے ہیں اور جزم بھی کیونکہ کلمۂ معرب کے آخر میں زیر زبر پیش کا نہ ہونا لفظِ لَمْ عامل کی وجہ سے ہے اسی پر باقی امثلہ کو قیاس کریں۔

سوال : ساکن اور مجزوم کے درمیان کیا فرق ہے ؟

جواب : ساکن ایسے حرف کو کہتے ہیں جس پر زیر زبر پیش نہ ہو اور مجزوم ایسے کلمۂ معرب کو کہتے ہیں جس کے آخر میں زبر زیر پیش یا اس کا قائم مقام عامل کی وجہ سے نہ ہو مثلاً لَمْ یَضْرِبْ میں ضاد ساکن ہے مگر مجزوم نہیں البتہ باء کو ساکن کہیں گے اور اس تمام کلمہ کو مجزوم کہیں گے کیونکہ اس کے آخر میں عامل کی وجہ سے زیر زبر پیش نہیں اور لَمْ یَضْرِبَا یہ تمام کلمہ مجزوم ہے کیونکہ اس کے آخر میں لفظِ لَمْ عامل کی وجہ سے نون اعرابی جو کہ ضمّہ کے قائم مقام تھا نہیں ہے۔

سوال : متحرک اور معرب کے درمیان فرق بتائیں ؟

جواب : متحرک زبر زیر پیش والے حرف کو کہتے ہیں اور معرب ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جس کے آخر میں عامل کی وجہ سے تبدیلی واقع ہو۔

سوال : صرف کبیر میں غائب کو مقدم کیوں کیا ؟

جواب ۱ : اس لیے کہ غائب عدم اور مخاطب اور متکلم موجود اور زمانہ کے اعتبار سے عدم وجود پر مقدم ہے لہٰذا غائب کو مقدم کیا گیا۔

جواب ۲ : صرفی گردان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کو اختیار کرتے ہیں اور یہی حسن ہے چونکہ غائب اظرفیت میں مخاطب سے ادنیٰ اور مخاطب متکلم سے ادنیٰ ہے لہٰذا غائب کو مخاطب پر اور مخاطب کو متکلم پر مقدم کر دیا قرآن مقدس میں بھی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی موجود ہے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ط

جواب ۳ : چونکہ صرفی کا تعلق تصریف کے ساتھ ہے اور تصریف غائب میں مخاطب کے اعتبار سے اور مخاطب میں متکلم کے اعتبار سے زیادہ ہے تو وَالْعِزَّةُ لِلتَّكَاثُرِ وَالْمُعَزَّزُ مُقَدَّمٌ کی بناء پر غائب کو مخاطب پر اور مخاطب کو متکلم پر مقدم کر دیا۔

جواب ۴ : ماضی ثلاثی مجرد میں واحد مذکر غائب کا صیغہ حروفِ زوائد اور ضمیر بارز مرفوع متصل سے خالی ہونے کی وجہ سے مفرد و مجرد ہے تو مفرد مرکب کے اعتبار سے اور مجرد مزید فیہ کے اعتبار سے اصل ہوا لہٰذا غائب کو مقدم کیا گیا۔

سوال : نحوی متکلم سے ابتدا کیوں کرتے ہیں ؟

جواب ۱ : اس لیے کہ ابتدائے کلام متکلم سے ہے لہٰذا حدوثِ کلام کا اعتبار کرکے متکلم کو مقدم کرتے ہیں۔

جواب ۲ : نحویوں کے نزدیک معرفہ نکرہ سے افضل و اعلیٰ ہے اور معرفہ کی اقسام میں سے جو اعرف ہو وہ افضل ہے چونکہ متکلم مخاطب سے اعرف ہے لہٰذا متکلم کو مقدم کرتے ہیں بعدہٗ مخاطب بعدہٗ غائب لہٰذا ان کے نزدیک مستحقِ تقدیم وہی ہے جو تعریف و شرافت میں زیادہ ہو۔

سوال: مذکر کو مؤنث پر مقدم کیوں کیا؟
جوابؑ: اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ اور اَلرَّجُلُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَرْءَۃِ کی بنا پر مذکر مؤنث سے افضل و اشرف ہے نیز اس لیے کہ مذکر کامل العقل و الدین ہے اور مؤنث ناقصات العقل و الدین لہٰذا مذکر کو مقدم کیا گیا۔
جوابؑ: چونکہ مذکر (حضرت آدم علیہ السلام) مؤنث (حضرت حوا علیہا السلام) سے پیدائش میں مقدم ہے لہٰذا مذکر کے صیغوں کو مؤنث کے صیغوں سے مقدم کیا گیا۔

قولہ ضَرَبَا الخ

سوال: ضَرَبَا میں الف کیا ہے؟
جواب: الف علامت تثنیہ کی اور ضمیر فاعل ہے۔
سوال: الف کو علامتِ تثنیہ اور ضمیر فاعل کے لیے کیوں خاص کیا؟
جواب: تاکہ یہ الف هُمَا ضمیر مرفوع منفصل تثنیہ پر دلالت کرے۔
سوال: هُمَا پر دلالت کرنے کے لیے ہا یا میم کو کیوں نہ خاص کیا گیا۔
جواب: اس لیے کہ زیادتی کے لیے اصل حروفِ علت ہیں۔

قولہ ضَرَبُوْا الخ میں واؤ کیا ہے؟

جواب: یہ واؤ علامت جمع مذکر اور ضمیر فاعل کی ہے؟
سوال: واؤ کو علامت جمع مذکر اور ضمیر فاعل کے لیے کیوں خاص کیا؟
جواب: تاکہ یہ واؤ هُمُوْ ضمیر مرفوع منفصل جمع مذکر پر دلالت کرے۔
سوال: هُمُوْ کا اصل کیا ہے؟
جواب: هُمُوْ کا اصل هُوُوْ تھا کیونکہ اس کا واحد هُوَ ہے اور قیاس کے موافق هُوَ، هُوَا هُوُوْ ہوگا جمع مذکر میں دو واؤ جمع ہوگئیں پہلی واؤ کو میم بنا دیا کیونکہ میم اور واؤ ہم مخرج ہیں اور حروفِ شفویہ سے ہیں

هُمُوْا ہوا بعدہٗ دوسری واؤ کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا هُمْ ہوا۔
سوال: هُوَا سے هُمَا کیسے بن گیا حالانکہ اس جگہ دو واؤ جمع نہیں ہیں؟
جواب: چونکہ تثنیہ اور جمع ہر دو واحد کی فرع ہیں لہٰذا جمع کی مناسبت سے تثنیہ میں بھی واؤ کو میم کر دیا۔
سوال: ضَرَبُوْا میں واؤ کا ماقبل ضمہ کیوں حالانکہ ماضی کا آخر فتحہ پہ مبنی ہوتا ہے؟
جواب: واؤ کی موافقت کے لیے ماقبل کو ضمہ دیا کیونکہ ضمہ شفوی ہے اور واؤ بھی شفوی بلکہ نصف واؤ کی آواز ہے لہٰذا اِنَّ الْجِنْسَ اِلَى الْجِنْسِ اَنْسَبُ وَاَمْيَلُ کی بنا پر واؤ کو ضمہ دیا۔
سوال: رَمَوْا میں واؤ کی موافقت کے لیے میم کو ضمہ کیوں نہ دیا؟
جواب: اس جگہ واؤ کا ماقبل اصل میں میم نہیں بلکہ باء ہے کیونکہ اصل میں رَمَيُوْا تھا یاء کو ماقبل فتحہ کی وجہ سے الف کر دیا اور الف اجتماع ساکنین سے گر گیا رَمَوْ ہوا۔
سوال: ضَرَبُوْا میں واؤ جمع کے بعد الف کیوں لکھتے ہیں
جواب: واؤ جمع کا ماقبل اگر دال ذال راء زاء میں سے ہو تو واؤ عطف سے التباس لازم آتا ہے جیسے عَبَدُوْا نَصَرُوْا عَجَزُوْا میں اگر واؤ کے بعد الف نہ ہو تو کیا معلوم کہ یہ واؤ جمع کی ہے یا عطف لہٰذا ان صورتوں میں رفع التباس کے لیے اور باقی صورتوں میں بھی ان کی موافقت کے لیے آخر میں الف کو لکھتے ہیں۔
قولہٗ ضَرَبَتْ الخ
سوال: ضَرَبَتْ میں تاء کیا ہے؟
جواب: یہ تاء واحدہ مؤنث غائبہ کی علامت ہے مگر ضمیر فاعل کی نہیں ہے۔
سوال: تاء کو مؤنث کے لیے علامت کیوں مقرر کیا گیا؟

جواب : مؤنث پیدائش میں مذکر کے اعتبار سے دوسرے مرتبہ میں ہے اور تاء بھی دوسرے مخرج میں سے ہے کیونکہ اس کا مخرج وسط الفم ہے لہٰذا اس مناسبت سے مؤنث کے لیے تاء کو مختص کیا گیا ۔

سوال : تاء کو علامتِ تانیث کے لیے زیادہ کرنے کی وجہ تخصیص کیا ہے حالانکہ دوسرے مخرج میں تاء کے علاوہ کئی حروف ہیں ؟

جواب : زیادتی کے لیے اصل حروفِ علت ہیں اور حروفِ علت کبھی تاء بن جاتے ہیں جیسے اِیْتَسَرَ سے اِتَّسَرَ اِوْتَحَدَ سے اِتَّحَدَ وُکْلَانٌ سے تُکْلَانٌ

سوال : اس تاء کو ساکن کس لیے کیا ؟

جوابِ ا : تاکہ توالی اربع حرکات لازم نہ آئے ۔

جوابِ ۲ : اس لیے کہ یہ حرف ہے اور حروف مبنی ہوتے ہیں ۔ لہٰذا اس مناسبت سے تاء کو زیادہ کیا اور بنا میں اصل سکون ہے لہٰذا تاء کو ساکن کیا گیا ۔

سوال : یہ تاء ضمیر فاعل کیوں نہیں ؟

جواب : اس لیے کہ هِیَ ضمیر مرفوع منفصل واحدہ مؤنث میں تاء نہیں ہے جس پر یہ دلالت کرے ۔

قولهٗ ضَرَبَتَا

سوال : ضَرَبَتَا میں تاء اور الف کیا ہیں ؟

جواب : الف علامت تثنیہ اور ضمیر فاعل کی ہے اور تاء مؤنث کی علامت ہے ۔

سوال : الف کو علامت تثنیہ اور ضمیر فاعل کے لیے کیوں خاص کیا ؟

جواب : تاکہ الف هُمَا ضمیر مرفوع منفصل تثنیہ پر دلالت کرے ۔

قولهٗ ضَرَبْنَ سوال : ضَرَبْنَ میں نون مفتوح کیا ہے ؟

جواب : علامت جمع مؤنث غائبات اور ضمیر فاعل کی ہے۔
سوال : نون کو علامت جمع مؤنث کے لیے کیوں خاص کیا ؟
جواب : تاکہ هُنَّ ضمیر مرفوع منفصل جمع مؤنث پر دلالت کرے۔
سوال : ضَرَبْنَ سے ضَرَبْنَا تک باء کو ساکن کیوں کر دیا حالانکہ ماضی کا آخر فتحہ پر مبنی ہے۔
جواب : ضَرَبْنَ سے ضَرَبْنَا تک باء کو اس لیے سکون پر مبنی کر دیا تاکہ ایک کلمہ میں توالی اربع حرکات لازم نہ آئے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔
سوال : ضَرَبْنَ کے نون کو ساکن کیوں نہ کیا ؟
جواب : یہ نون جمع مؤنث کی علامت ہے اور شئی کی علامت تغیر کو قبول نہیں کرتی۔
سوال : ضَرَبَتَا میں توالی اربع حرکات ہے یعنی پے در پے چار حرکات جمع ہیں ؟
جواب : تاء کو حرکت اس لیے دی گئی کہ اجتماع ساکنین لازم نہ آئے لہٰذا تاء کی حرکت اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے کیونکہ ضَرَبَتْ میں یہ تاء ساکن ہے اور حرکت عارضی حکم سکون میں ہے اسی لیے رَمَتَا میں (جو کہ اصل میں رَمَیَتَا تھا) یا بعد فتحہ کے الف ہو کر اجتماع ساکنین حکمی سے گر گئی۔
سوال : رَمَاتَا کی تاء کو اگر اصل اعتبار سے ساکن قرار دیں تو رَمَتَا میں بعد از حذفِ الف ابھی ساکنین باقی ہے اور اگر موجودہ اعتبار سے متحرک کہیں تو رَمَاتَا کے پہلے الف کی وجہ حذف کیا ہے ؟
جواب : تاء کو پہلے الف کے ساتھ ساکن اور دوسرے الف کے ساتھ متحرک قرار دیا کیونکہ پہلا الف اس تاء کی سکون اصلی کی مانند ہے اور دوسرا الف اس کی فتح عارضی کی مانند ہے لہٰذا اصلی کا اصلی کے ساتھ اور عارضی کا عارضی کے ساتھ اعتبار کیا گیا۔
سوال : ضَرَبْنَ میں تاء کو جو کہ واحد میں علامت تانیث کی تھی حذف کیوں کر دیا اور ضَرَبْتْنَ کیوں نہ کہہ دیا ؟

جواب : تاکہ اجتماعِ دو ہم جنس علامت ہائے تانیث (ایک تاء دوسرا نون) لازم نہ آئے کیونکہ یہ جائز نہیں اور اگر تاء ساکن پر اکتفا کرتے تو واحدہ مؤنث غائبہ سے التباس ہوتا اور اگر لام کلمہ کو ساکن کر کے تاء کو حرکت دیتے تو دوسرے صیغوں (واحد مذکر و مؤنث حاضر اور واحد متکلم) سے التباس ہوتا۔

سوال : حُبْلیٰ کی جمع حُبْلَیَاتٌ میں مؤنث کی دو علامتیں جمع ہیں ؟

جواب : اس جگہ مؤنث کی دو علامتیں (ایک یاء جو کہ حُبْلیٰ کے الف سے بدل ہوئی اور دوسری تاء) ایک جنس سے نہیں ہیں۔

فائدہ : اسم میں مؤنث کی دو علامتیں اگر ایک جنس سے نہ ہوں تو جمع ہو سکتی ہیں جیسے حُبْلَیَاتٌ اور اگر ایک جنس سے ہوں تو جمع نہیں ہوں گی جیسے مُسْلِمَۃٌ کی جمع مُسْلِمَاتٌ میں جو کہ اصل میں مُسْلِمَتَاتٌ تھا مؤنث کی دو علامتیں ایک جنس سے جمع ہو گئیں لہٰذا ایک کو حذف کر دیا مُسْلِمَاتٌ ہوا اور فعل میں مؤنث کی دو علامتیں مطلقاً جمع نہیں ہوں گی خواہ ایک جنس سے ہوں یا ایک جنس سے نہ ہوں کیونکہ فعل ثقیل ہے۔

سوال : ضَرَبْنَ میں حذفِ تاء وجود کے بعد متصور ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں تاء کا وجود نہ لفظاً ثابت ہے نہ سماعاً تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ضَرَبْنَ میں تاء کو حذف کیا گیا ہے؟

جواب : یہ صحیح ہے مگر قیاس چاہتا ہے کہ اس میں تاء کا وجود تھا اس پر دلیل یہ ہے کہ ضَرَبَتْ اور ضَرَبَتَا میں اس کا وجود ہے جب اس کے واحد و تثنیہ میں تاء ثابت ہے تو گویا کہ ضَرَبْنَ میں بھی تاء موجود تھی بعدہٗ اس کو حذف کیا گیا۔

قولہٗ ضَرَبْتَ الخ سوال : ضَرَبْتَ میں تاء مفتوحہ کیا ہے؟

جواب : یہ تاءِ واحد مذکر مخاطب کی علامت ہے اور ضمیر فاعل کی ہے۔

سوال : واحد مذکر مخاطب اور ضمیر فاعل کے لیے تاء کو کیوں خاص کیا؟

جواب: تاکہ یہ تاء اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل مخاطب پر دلالت کرے.
سوال: اس تاء کو حرکت کیوں دی؟
جواب: تاکہ واحد مؤنث غائب سے التباس نہ ہو.
سوال: فتحہ کیوں دی؟
جواب ۱: اس لیے کہ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر مخاطب میں تاء مفتوحہ ہے
جواب ۲: فتحہ مذکر کی شان کے مناسب ہے کیونکہ غالب اور اوپر ہوتی ہے.
سوال: ضمہ بھی غالب اور اوپر ہوتا ہے؟
جواب: ضمہ قوی ہے اور متکلم بھی قوی ہے کیونکہ کلام کا صدر اس سے ہے لہٰذا متکلّم کے لیے ضمہ مناسب ہوا کیونکہ قوی کو قوی دینا اولیٰ ہے اگر واحد مذکر حاضر میں بھی تاء کو ضمہ دیتے تو التباس لازم آتا.

قولہ ضَرَبْتُمَا الخ سوال: ضَرَبْتُمَا میں تُمَا کیا ہے؟
جواب: تُمَا کبھی علامت اور ضمیر فاعل تثنیہ مذکر مخاطبین کی ہے اور کبھی علامت اور ضمیر فاعل تثنیہ مؤنث مخاطبین کی.
سوال: تُمَا کو علامت اور ضمیر فاعل تثنیہ مخاطب کے لیے کیوں خاص کیا گیا؟
جواب: تاکہ اَنْتُمَا ضمیر مرفوع منفصل تثنیہ پر دلالت کرے.
سوال: ضَرَبْتُمَا میں میم کی زیادتی کیوں؟
جواب: تاکہ الف اشباع کے ساتھ (جو کہ فتحہ کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے) التباس نہ ہو جیسے شاعر کے قول میں ؎

فَاِنَّكَ ضَامِنٌ بِالرِّزْقِ حَتّٰى ۔۔۔ تُوَفِّيْ كُلَّ نَفْسٍ مَّا ضَمِنْتَا

سوال: ضَرَبَا میں بھی ایک حرف زائد کرنا چاہیے تاکہ الف اشباع کے ساتھ التباس لازم نہ آئے.
جواب: ضَرَبَ اور ضَرَبَا میں مرجع مذکور کے قرینہ سے فرق ہو جاتا ہے جیسے زَيْدٌ ضَرَبَ اور زَيْدَانِ ضَرَبَا بخلاف مخاطب کے کیونکہ اس

سے پہلے مرجع مذکور نہیں ہوتا۔
سوال: اس جگہ زیادتی میم کے لیے وجہِ تخصیص کیا ہے میم کے علاوہ کسی دوسرے حرف کو زیادہ کیوں نہ کیا؟
جوابؔ: اَنْتُمَا کی مناسبت کے لیے جو کہ ضمیر مرفوع منفصل مخاطب ہے۔
جوابؔ: چونکہ زیادتی کے لیے اصل حروف علّت ہیں مگر اس جگہ واؤ اور الف کی زیادتی مستثقل ہے لہٰذا میم کو جو کہ واؤ کا قریب المخرج ہے خاص کر دیا۔
سوال: اَنْتُمَا میں میم کو کس لیے زیادہ کیا گیا حالانکہ اس کا مفرد اَنْتَ ہے؟
جواب: ھُمَا کی موافقت کے لیے کیونکہ اس میں بھی میم ہے کما تقدّم؟
سوال: ھُمَا میں میم واؤ اصلیہ سے بدل ہے اور اَنْتُمَا میں میم کسی سے بدل نہیں بلکہ یہ زائدہ ہے لہٰذا اَنْتُمَا کو ھُمَا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؟
جواب: چونکہ ھُمَا میں میم موجود ہے اگرچہ اصلی ہے لہٰذا اَنْتُمَا میں بھی میم کو زیادہ کر دیا تاکہ تثنیہ غائب اور مخاطب کے درمیان مطابقت ہو جائے اگرچہ ھُمَا میں میم اصلی ہے اور اَنْتُمَا میں زائدہ۔
قولہ ضَرَبْتُمْ الخ سوال: ضَرَبْتُمْ میں تم کیا ہے؟
جواب: علامت جمع مذکّر مخاطب کی اور ضمیر فاعل ہے۔
سوال: تُمْ کو علامتِ جمع مذکّر اور ضمیر کے لیے کیوں خاص کیا؟
جواب: تاکہ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل جمع مذکّر مخاطب پر دلالت کرے
سوال: ضَرَبْتُمْ میں میم کو کیوں زیادہ کیا حالانکہ اس جگہ الف اشباع کے ساتھ التباس لازم نہیں آتا؟
جوابؔ: تاکہ اپنی تثنیہ کے موافق ہو۔ جوابؔ: تاکہ اشباعی حالت میں واحد متکلم سے التباس نہ ہو جیسے کہ شاعر کے قول میں ہے ؎

فَاِنَّ الْمَاءَ مَاءُ اَبِیْ وَجَدِّیْ وَبِئْرِیْ ذُوْحَفَرْتُ وَذُوْطَوَیْتُ

سوال: اگر میم زائدہ ہے تو جمع مذکر کی علامت کیا چیز ہے؟

جواب : جمع مذکر کی علامت واؤ محذوف ہے کیونکہ ضَرَبْتُمْ کا اصل ضَرَبْتُمُوْا تھا واؤ طرف میں تھی اور اس کا ماقبل مضموم واؤ کو حذف کیا گیا آخر میں ضمیر منصوب متصل لاحق ہونے سے یہ واؤ واپس لاتے ہیں جیسے ضَرَبْتُمُوْہُ

قولہٗ ضَرَبْتِ الخ سوال : ضَرَبْتِ میں تاء کیا ہے ؟
جواب : یہ تاء علامت واحدہ مؤنث مخاطبہ اور ضمیر فاعل ہے .
سوال : تاء مکسورہ کو علامت واحدہ مؤنث مخاطبہ اور ضمیر کے لیے کیوں خاص کیا ؟
جواب : تاکہ اَنْتِ ضمیر مرفوع منفصل واحدہ مؤنث مخاطب پر دلالت کرے .
سوال : تاء کو کسرہ کیوں دیا .
جواب[۱] : اس لیے کہ اَنْتِ میں تاء مکسورہ ہے . جواب[۲] : کسرہ مؤنث کی شان کے مناسب ہے کیونکہ مغلوب اور نیچے ہے .
سوال : تثنیہ مذکر مخاطب اور تثنیہ مؤنث مخاطبہ کیلئے ایک صیغہ مشترکہ کیوں ؟
جواب : اس لیے کہ یہ مفرد کے اعتبار سے قلیل الاستعمال ہے .
سوال : اس طرح التباس لازم آئے گا لہٰذا مذکر مؤنث کے درمیان تمیز ہونی چاہیے
جواب : قلتِ استعمال کی وجہ سے اس کا استعمال بھی قلیل ہے لہٰذا اس التباس کا اعتبار نہیں ہوگا .
سوال : تثنیہ مذکر اور مؤنث غائب میں بھی قلتِ استعمال ہے تو پھر ان دو صیغوں میں تمیز کیوں کی گئی ؟
جواب : مخاطب میں دیکھ کر یا آواز سن کر مذکر مؤنث کے درمیان تمیز ہو سکتی ہے البتہ غائبانہ کلام میں تذکیر و تانیث مشکل ہے .

قولہٗ ضَرَبْتُنَّ الخ سوال : ضَرَبْتُنَّ میں تُنَّ کیا ہے ؟
جواب : تُنَّ علامت جمع مؤنث مخاطبات کی اور ضمیر فاعل ہے .
سوال : ضَرَبْتُنَّ میں نون مشدد کیسے ہوا حالانکہ جو نون جمع مؤنث کی

علامت ہے وہ بغیر شد کے ہے جیسے ضَرَبْنَ ؟

جواب: چونکہ تثنیہ میں میم زائد تھا لہٰذا جمع میں بھی زائد ہوا تاکہ تثنیہ کے موافق ہو جائے اس طرح اس کا اصل ضَرَبْتُمْنَ ہوا میم اور نون قریب المخرج تھے لہٰذا میم کو نون کر کے ادغام کر دیا۔

سوال: ضَرَبْنَ میں ایک اور ضَرَبْتُنَّ میں دو حرف زائد کیوں؟

جواب: چونکہ ضَرَبُوْا جمع مذکر غائبین میں ایک حرف زائدہ ہے لہٰذا ضَرَبْنَ جمع مؤنث غائبات میں بھی ایک حرف کو زیادہ کیا تاکہ مذکر مؤنث کے درمیان موافقت ہو جائے اور ضَرَبْتُمْ جمع مذکر مخاطبین میں دو حرف زائد تھے لہٰذا ضَرَبْتُنَّ جمع مؤنث مخاطبات میں بھی دو حرف زیادہ کئے گئے۔

قولہٗ ضَرَبْتُ الخ۔ سوال: ضَرَبْتُ میں تاء کیا ہے؟

جواب: یہ تاء واحد مذکر و مؤنث متکلم کی علامت ہے اور ضمیرِ فاعل ہے۔

سوال: ضَرَبْتُ میں تاء کہاں سے آگئی؟

جواب: ضمیر واحد متکلم اَنَا ہے اور اَنَا کے حروف میں سے کوئی حرف زیادتی کے قابل نہیں تھا کیونکہ اگر اَنَا میں سے الف کو زیادہ کرتے تو تثنیہ مذکر غائب سے ملتبس ہوتا اور اگر نون کو زیادہ کرتے تو جمع مؤنث غائب سے مشتبہ ہوتا لہٰذا زیادتی کے لیے تاء کو اختیار کیا گیا کیونکہ اس کی اخوات (واحد مذکر مؤنث مخاطب) میں بھی تاء زیادہ کی گئی۔

سوال: ضَرَبْتُمَا ضَرَبْتُمْ ضَرَبْتُنَّ ضَرَبْتُ میں تاء کو ضمہ کس لیے دے دیا؟

جواب: اس لیے کہ تاء ضمیرِ فاعل ہے اور فاعل مرفوع ہوتا ہے لہٰذا فاعل کے لیے حرکت ضمہ مناسب ہے۔

قولہٗ ضَرَبْنَا الخ۔ سوال: ضَرَبْنَا میں نا کیا ہے؟

جواب: متکلم مع الغیر کی علامت ہے اور ضمیر فاعل ہے اور کبھی واحد متکلم

کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے مثل خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ اس کو جمع تعظیمی کہتے ہیں

سوال: متکلّم مع الغیر کے لیے نَا کو کیوں خاص کیا؟

جواب: تاکہ نَحْنُ کے نون پر دلالت کرے جو کہ ضمیر مرفوع منفصل متکلّم مع الغیر ہے۔

سوال: الف کو کیوں زیادہ کیا گیا؟

جواب: تاکہ ضَرَبْنَ کے ساتھ ملتبس نہ ہو۔

سوال: اشباعی صورت میں جمع مؤنّث سے ابھی التباس باقی ہے؟

جواب: جمع مؤنّث اپنے مرجع کے قرینہ سے ممتاز ہو سکتی ہے۔

سوال: عکس کیوں نہ کیا؟

جواب: تاکہ کثرتِ حروف کثرتِ معانی پہ دلالت کرے اس لیے کہ ضَرَبْنَا کے معنی میں ضَرَبْنَ کے معنی کی نسبت کثرت ہے کیونکہ ضَرَبْنَ کا معنی ہے "مارا اُن کئی عورتوں نے" اور ضَرَبْنَا کا معنی ہے "مارا ہم دو مردوں یا عورتوں یا ہم تمام مردوں یا تمام عورتوں نے" یعنی ضَرَبْنَ کا اطلاق تثنیہ و مذکر پر نہیں صرف جمع مؤنث پر ہے اور ضَرَبْنَا کا اطلاق تثنیہ، جمع، مذکر و مؤنث پر بھی

سوال: واحد متکلم کا کیا معنی ہے اگر واحد بہ نسبت تکلّم کہیں تو پھر متکلّم مع الغیر بھی تکلّم میں واحد ہے نیز متکلّم مع الغیر کا کیا معنی ہے اور مع کا تعلق کس سے ہے اگر متعلق بمتکلّم کہیں تو پھر لازم آتا ہے کہ تمام متکلّم ہوں حالانکہ ان میں سے متکلّم صرف ایک ہے۔

جواب: واحد سے مراد بنسبت مَا یَتَکَلَّمُ بِہٖ وَمَا یُخْبَرُ بِہٖ ای عنہ[۱۲] ای فعل[۱۲] ہے یعنی اس معنی میں تنہا اور بلا شرکت ہے اگرچہ بہ نسبتِ تکلّم بھی وحدت رکھتا ہے اور لفظ مع متکلّم کے لیے ظرف نہیں بَلْ لِعَامِلٍ مَحذوف صِفَۃً لِلْمُتَکَلِّمِ یعنی متکلّم فیما یتکلّم بہ ای عنہ، مقرون مع الغیر ہے یعنی یہ فعل مصدریت میں تنہا نہیں بلکہ غیر کے ساتھ شریک وَقِسْ عَلٰی ھٰذَا الْبَوَاقِیْ

اَیْ عَلَی الْمَاضِیْ ۱۲ کَالْمُضَارِعِ وَنَحْوِہٖ ۱۲

قولہٗ صرف کبیر فعل ماضی مجہول الخ سوال : فعل مجہول کسے کہتے ہیں؟

جواب : فعل مجہول وہ فعل ہے جس کی نسبت فاعل کی طرف نہ ہو بلکہ مفعول کی طرف ہو یعنی جس کے فاعل کو حذف کر کے اس کی جگہ مفعول ذکر کیا جائے خواہ ظاہر ہو مثل خُلِقَ الْعَالَمُ یا پوشیدہ ہو جیسے زَیْدٌ ضُرِبَ میں ھُوَ ضمیر مفعول ہے اس کو نائب فاعل کہتے ہیں۔

سوال : اس کو مجہول کیوں کہتے ہیں ؟

جواب : مجہول صیغہ اسم مفعول ہے اس کا لغت میں معنی ہے نہ جانا گیا چونکہ اس کے فاعل کا ذکر ہی نہیں کیا گیا اور وہ معلوم ہی نہیں لہٰذا اس کو مجہول کہتے ہیں نیز اس کو مبنی للمفعول بھی کہتے ہیں کیونکہ اس فعل کو مفعول کی طرف نسبت کیلئے بنایا گیا ہے نیز اس کو فعل مَا لَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ایسا فعل ہے کہ جس کے فاعل کا نام ہی نہیں لیا گیا اور فعل مجہول لازم سے نہیں آتا صرف فعل متعدی سے آتا ہے۔

سوال : فاعل کو حذف کر کے وَضعِ مجہول کی غرض کیا ہے حالانکہ کلام میں ذکرِ فاعل اصل ہے اور حذفِ فاعل خلاف اصل لہٰذا بلاوجہ فاعل کو حذف کر کے اصل کا خلاف نہیں کرنا چاہیے۔

جواب : حذف فاعل کی کئی وجوہ ہیں (۱) تحقیر کے لیے یعنی فاعل حقیر ہو اور مفعول صاحب عظمت تو فاعل کو حذف کرتے ہیں مثلاً شَتَمَ الْفَاسِقُ الْخَلِیْفَۃَ میں فاسق فاعل ہے اس کو حقیر و رذیل جان کر حذف کر کے شُتِمَ الْخَلِیْفَۃُ کہہ دیا کیونکہ فاسق نے خلیفہ کو گالی دی ہے اور یہ اس چیز کے لائق ہی نہیں کہ اس کا خلیفہ کے ساتھ زبان پر ذکر لائیں۔

(۲) تعظیم کے لیے یعنی جب فاعل صاحب عظمت ہو اور مفعول حقیر ہو تو فاعل کو حذف کرتے ہیں مثلاً عَاقَبَ السُّلْطَانُ اللِّصَّ میں سلطان فاعل اس کو صاحب عظمت جان کر حذف کر کے عُوْقِبَ اللِّصُّ کہہ دیا کیونکہ اس کی شان کے

لائق نہیں کہ اس کا حقیر و رذیل کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

(۳) شہرت کے لیے یعنی جب فاعل مشہور ہو اور مخاطب کو اس کا علم ہو تو فاعل کو حذف کرتے ہیں مثلاً خَلَقَ اللّٰہُ الْاِنْسَانَ ضَعِیْفًا میں اللہ تعالیٰ فاعل ہے جو کہ خالق ہے اور مشہور ہے چونکہ یہ فعل اس کے غیر سے متصور نہیں ہو سکتا لہٰذا شہرت اور عدم ضرورتِ ذکر کی بنا پر فاعل کو حذف کر کے خُلِقَ الْاِنْسَانُ کہہ دیا۔

(۴) عدمِ علم کے لیے یعنی جب متکلّم کو فاعل کا علم ہی نہیں صرف مفعول کا علم ہو تو فاعل کو حذف کرتے ہیں مثل سُرِقَ الْمَتَاعُ اس جگہ فاعل یعنی سارق کا علم ہی نہیں کہ چوری کرنے والا کون ہے لہٰذا اس کو حذف کر دیا۔ البتہ جو چیز گم ہوئی اس کا علم ہے

(۵) کبھی فاعل پر خوف کی وجہ سے فاعل کا ذکر نہیں کیا جاتا تاکہ اس کا راز مخفی رہے مثلاً قَتَلَ زَیْدٌ عَمْرًا میں زید قاتل ہے اگر اس کو حذف نہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ عمرو کا قاتل زید ہے اور اس سے قصاص لیا جائے گا لہٰذا اس کو حذف کر کے قُتِلَ عَمْرٌو کہہ دیا اور سامع کو شک میں ڈال دیا تاکہ قاتل معلوم نہ ہو سکے۔

(۶) کبھی فاعل سے خوف کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً ضَرَبَ زَیْدٌ بَکْرًا میں زید فاعل ہے جو کہ ظالم ہے متکلّم اس کا ذکر کرتا ہے تو خطرہ ہے کہ وہ متکلّم کو ایذا پہنچائے گا لہٰذا فاعل سے خوف کی بنا پر متکلّم نے سامع پر اس بات کو مخفی رکھنے کے لیے فاعل کو حذف کر کے ضُرِبَ بَکْرٌ کہہ دیا۔

۷۔ جب اصل غرض صدورِ فعل ہو اور اس کا وقوع خواہ کسی سے ہو تو اس وقت بھی فاعل کو حذف کرتے ہیں مثل قُتِلَ الْخَارِجِیُّ اس جگہ اصل مقصود یہ بتانا ہے کہ خارجی قتل ہو گیا۔ قاتل خواہ کسے باشد اس جگہ فاعل کا بتانا مقصود نہیں اس کے علاوہ بھی کئی وجوہ ہیں۔

سوال: معروف کو مجہول پر مقدّم کیوں کیا گیا؟

جوابٌ: اس لیے کہ معروف کئی اعتبار سے اصل ہے اور مجہول فرع کیونکہ مجہول

کو معروف سے بناتے ہیں لہٰذا اصل کو فرع پر مقدم کیا گیا۔

جواب۲: فعل معروف عمدہ یعنی فاعل کی طرف سے منسوب ہونے کی وجہ سے اصل ہے جس کا مقدم کرنا ضروری ہے۔

سوال: ثلاثی مجرّد سے ماضی مجہول بنانے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: فاء کلمہ کو ضمّہ اور عین کلمہ کو کسرہ دیں گے مثلاً ضَرَبَ سے ضُرِبَ بروزن فُعِلَ۔

سوال: ثلاثی مجرّد میں ماضی مجہول کے لیے وزن فُعِلَ کو کیوں خاص کیا گیا؟

جواب: چونکہ مجہول کا معنی غیر معقول ہے کیونکہ مجہول میں فعل کا اسناد مفعول کی طرف ہوتا ہے حالانکہ حق اور اصل یہی ہے کہ فعل کا اسناد فاعل کی طرف ہو لہٰذا مجہول کے لیے وزن بھی غیر معقول وضع کیا گیا تاکہ وزن غیر معقول معنی غیر معقول پر دلالت کرے۔

سوال: وزن فُعِلَ غیر معقول کیسے ہے؟

جواب: اس لیے کہ کلامِ عرب میں فُعِلَ کے وزن پر دُعِلَ اور دُئِلَ کے علاوہ کوئی کلمہ اسم مستعمل نہیں کیونکہ ضمّہ سے کسرہ کی طرف خروج کی وجہ سے یہ وزن ثقیل ہے لہٰذا یہ وزن غیر معقول ہے اگر معقول ہوتا تو اس وزن پر کلماتِ کثیرہ کا استعمال ہوتا۔

سوال: ماضی مجہول کے لیے وزن فِعُلَ کو مختص کیوں نہ کیا حالانکہ یہ وزن بھی کلام عرب میں قطعاً مستعمل نہیں کیونکہ یہ بھی کسرہ سے ضمّہ کی طرف خروج کی وجہ سے ثقیل اور غیر معقول ہے

جواب: یہ وزن بہت ہی زیادہ ثقیل ہے کیونکہ فُعِلَ میں ہبوط ہے یعنی بلندی سے نیچے اُترنا اور فِعُلَ میں عروج ہے یعنی نیچے سے بلندی کی طرف چڑھنا اور ہبوط عروج سے زیادہ آسان ہے۔

سوال: ماضی مجہول بنانے کا قاعدہ کیا ہے؟

جواب : حرف ماقبل آخر کو کسرہ دے کر اس سے پہلے جو بھی حرف متحرک ہو اس کو کسرہ دیں گے مثلاً ضَرَبَ سے ضُرِبَ سَمِعَ سے سُمِعَ أَكْرَمَ سے أُكْرِمَ صَرَّفَ سے صُرِّفَ ضَارَبَ سے ضُوْرِبَ دَحْرَجَ سے دُحْرِجَ تَقَبَّلَ سے تُقُبِّلَ اِجْتَنَبَ سے أُجْتُنِبَ اِسْتَغْفَرَ سے أُسْتُغْفِرَ ۔

فائدہ : ماضی مجہول سہ حرفی میں پہلا مضموم دوسرا مکسور ہوگا جیسے ضُرِبَ عُلِمَ كُرِمَ اور چار حرفی میں پہلا مضموم دوسرا ساکن تیسرا مکسور ہوگا جیسے أُكْرِمَ ۔

اور پانچ حرفی میں جس کے اوّل تاء ہو پہلا دوسرا مضموم تیسرا ساکن چوتھا مکسور ہوگا جیسے تُقُبِّلَ تُقُوْمِلَ اور پانچ حرفی جس کے اوّل ہمزہ ہو پہلا تیسرا مضموم دوسرا ساکن چوتھا مکسور ہوگا ۔ جیسے أُجْتُنِبَ اور چھ حرفی میں پہلا تیسرا مضموم دوسرا اور چوتھا ساکن پانچواں مکسور ہوگا جیسے أُسْتُنْصِرَ ۔

فائدہ : بنی تمیم کے نزدیک ماضی مجہول ثلاثی مجرد صحیح میں مطلقاً سکون عین جائز ہے مثلاً ضُرِبَ سے ضُرْبَ عُصِرَ سے عُصْر فُصِدَ لَهُ سے صاد کو زاء کر کے فُزْدَ لَهُ نیز صحیح اور مضاعف میں کسرۂ فاء اور سکونِ عین بھی جائز ہے مثلاً ضُرِبَ سے ضِرْبَ ۔ اُنَّ سے اِنَّ ۔ رُدَّتْ اِلَيْنَا سے رِدَّتْ اِلَيْنَا اور حلقی العین بکسرہ ہر دو مثل عُهِدَ سے عِهْدَ بھی جائز ہے هٰكَذَا فِي النَّوَادِرِ وَالسَّعْدِيَه ۔

قولہٗ صرف کبیر مضارع معروف ۔ الخ

سوال : مضارع کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کو مضارع کیوں کہتے ہیں ؟

جواب : مضارع مُضَارَعَتٌ سے اسم فاعل ہے اس کا لغت میں معنی ہے کسی سے مشابہ اور کسی کی مانند" اور مضارع کی اسم کے ساتھ چند وجوہ میں مشابہت ہے ۔

(۱). فعل مضارع تعدادِ حروف وحرکات وسکنات۔
یعنی وزن عروضی میں اسم فاعل کی مانند ہے مثلاً یَضْرِبُ اور ضَارِبٌ تعدادِ حروف وحرکات وسکنات میں برابر ہیں اور ایک دوسرے کی مانند ہیں جو وزن عروضی یَضْرِبُ کا ہوسکتا ہے وہی ضَارِبٌ کا ہوگا چنانچہ وزن عروضی یَضْرِبُ کا یَفْعِلُ تَفْعَلُ تِفْعَلُ اُفْعَلُ نُفْعِلُ مُفْعِلُ فَاعِلٌ فُعْلِلُ وغیرہ ہوسکتا ہے اور ضَارِبٌ کے بھی یہی اوزان ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا اس مناسبت سے اس کو مضارع کہتے ہیں۔

(۲). چونکہ فعل مضارع دخولِ لامِ ابتداء میں اسم فاعل کی مانند ہے یعنی لامِ ابتداء اسم فاعل کی طرح مضارع پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جو شخص زید کے قیام کا سخت انکار کرتا ہے تو جس طرح اِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ کہا جائے گا اسی طرح اِنَّ زَیْدًا لَیَقُوْمُ بھی کہہ سکتے ہیں لہٰذا اس مناسبت سے اس کا نام مضارع ہوا۔

(۳). چونکہ فعل مضارع نکرہ کی صفت واقع ہونے میں اسم فاعل کی مانند ہے مثلاً مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ کی جگہ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ یَّضْرِبُ کہہ سکتے ہیں کیونکہ فعل وضعاً نکرہ ہے لہٰذا معرفہ کے لیے صفت واقع نہیں ہوسکتا۔ اس مناسبت سے اس کو مضارع کہتے ہیں۔

فائدہ: بصریوں کے نزدیک مضارع کے معرب ہونے کی وجہ یہی مشابہت ہے اور کوفیوں کے نزدیک مضارع معرب بالاصالت ہے نہ کہ اسم کی مشابہت کی وجہ سے بلکہ توارد معانی مختلفہ مضارع میں اعراب کے مقتضی ہیں اس لیے کہ تعیینِ معانی اختلافِ اعراب کی صورت کے سوا نہیں ہوسکتا۔ مثلاً مثلاً لَا تَضْرِبُ کے آخر رفع اس بات پر دلیل ہے کہ صیغہ نفی کا ہے نہ کہ نہی اسی طرح لَا تَضْرِبْ میں سکون اس بات پر دلیل ہے کہ یہ صیغہ نہی ہے نہ کہ صیغہ نفی ہے۔

(۴) . چونکہ فعل مضارع عموم وخصوص میں اسم جنس کی مانند ہے جس طرح اسم اوّلاً مبہم ہوتا ہے بعدہٗ لام تعریف کے داخل ہونے سے مختص ہوجاتا ہے مثلاً رَجُلٌ اسم مبہم ہے اور یہ اپنے معنی میں شائع ہے بعدہٗ لام عہد کے داخل ہونے سے واحد کے ساتھ مختص ہوجاتا ہے جیسے جَاءَ الرَّجُلُ اسی طرح فعل مضارع بھی صلاحیت حال اور استقبال میں مبہم ہوتا ہے مثلاً یَضْرِبُ حال اور استقبال کے درمیان عام ہے ۔ بعدہٗ سین یا سَوْفَ کے داخل ہونے سے زمانۂ آئندہ کے ساتھ مختص ہوجاتا ہے جیسے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ اور كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ اسی طرح لا ابتداء کے داخل ہونے سے زمانۂ حال کے ساتھ مختص ہوجاتا ہے جیسے قرآن میں ہے کہ وَاِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْ . چونکہ مضارع عموم وخصوص میں اسم جنس کے مشابہ ہوا لہٰذا اس مناسبت سے اس کو مضارع کہتے ہیں ۔

سوال: قول باری تعالیٰ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى میں اجتماع المتنافیین لازم آتا ہے کیونکہ لام حال کو چاہتا ہے اور سَوْفَ استقبال کو ان دونوں کے درمیان منافاۃ ہے ۔

جواب: وَلَسَوْفَ میں لام حال کے لیے نہیں بلکہ تاکیدِ فعل کے لیے ہے لہٰذا اجتماع المتنافیین لازم نہیں آتا ۔

۵ . چونکہ فعل مضارع اشتراک میں اسم عینٌ کے مشابہ ہے مثلاً لفظ عَيْنٌ زانو، آنکھ ، سورج ، چشمہ ، سونا وغیرہ کے درمیان مشترک ہے اور صیغۂ مضارع بھی حال استقبال کے درمیان مشترک ہے لہٰذا اس مناسبت سے اس کو مضارع کہتے ہیں نیز مضارع ضَرْعٌ سے ہے اور ضَرْعٌ کا لغت میں معنی ہے " ایک ماں کے پستان پر دو بچوں کا دودھ پینے کے لیے جمع ہونا " چونکہ زمانۂ حال اور استقبال ایک صیغہ سے مفہوم ہوتے ہیں گویا کہ یہ دو زمانے دو بچوں کی مانند ہیں اور صیغۂ مضارع ماں کی مانند ہے لہٰذا اس مناسبت

سے اس کو مضارع کہتے ہیں اس کو غابر بھی کہتے ہیں کیونکہ غابر بمعنی باقی رہنے والا چونکہ زمانہ ماضی گزر گیا باقی زمانہ حال اور استقبال رہتا ہے جس پر کہ مضارع کا صیغہ دلالت کرتا ہے۔

سوال: مضارع بنانے کا طریقہ کیا ہے ؟

جواب: ماضی کے اوّل میں علامت مضارع لائیں اور ثلاثی مجرد میں فاء کلمہ کو ساکن کر کے پانچ صیغوں کے آخر ضمہ اور سات صیغوں کے آخر نون اعرابی لائیں۔

سوال: علامت کسے کہتے ہیں ؟

جواب: علامت ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ کوئی چیز پہچانی جائے۔

سوال: مضارع کی علامت کیا ہے

جواب: مضارع کی علامت چار حروف ہیں۔ ہمزہ[1]، تا[2] یا[3] نون[4] ان کا مجموعہ اَتَیْنَ ہے۔ ان کو حروف مستقبل اور زوائد اربعہ بھی کہتے ہیں۔

سوال: ان حروف کو ماضی کے لیے کیوں نہیں زیادہ کیا گیا مضارع کے لیے کیوں؟

جواب: جب زمانہ ماضی حال اور استقبال سے مقدّم ہے اور مجرد مزید فیہ پر مقدّم ہے لہٰذا مستقبل کی مزید فیہ سے مناسبت کی وجہ سے مستقبل کے لیے زیادتی کو اختیار کیا گیا۔

سوال: علامت مضارع کو اوّل میں کیوں لاتے ؟

جواب[1]: حروف اَتَیْنَ کو اگر مضارع کے آخر میں لاتے تو اکثر صیغوں کا ماضی سے التباس لازم آتا مثلاً اگر الف کو آخر میں لاتے تو فَعَلَا تثنیہ مذکر غائب ماضی سے اور اگر آخر میں تاء لاتے تو فَعَلَتْ سے اگر آخر میں نون لاتے تو فَعَلْنَ جمع مؤنث ماضی سے التباس لازم آتا اور یاء کی صورت میں مضمر مضاف بیائے متکلم سے ملتبس ہوتا۔

جواب[2]: اس لیے کہ مضارع کا آخر محلِ تبدّل و تغیّر ہے کیونکہ معرب

ہے اور علامت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر حالت میں باقی رہے۔
جواب ۳: تاکہ ابتدائے تکلم سے معلوم ہو جائے کہ یہ صیغہ مضارع کا ہے اگر آخر میں یا درمیان میں لاتے تو ابتداء سے معلوم ہوتا کہ یہ ماضی ہے اور جب آخر کو دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ یہ فعل مضارع ہے اور اس طرح ذہن میں انتشار لازم آتا۔
سوال: علامت مضارع کے لیے صرف ان حروف کو زیادہ کرنے کی وجہ تخصیص کیا ہے؟
جواب: چونکہ زیادتی کے لیے اصل حروف علت ہیں کیونکہ کلامِ عرب میں حروفِ علت یا ان کے اجزاء (یعنی حرکات) سے کوئی کلمہ خالی نہیں لہٰذا زیادتی کے لیے حروفِ علت یا ان کے اجزاء کو زیادہ کیا جاتا ہے؟
سوال: حروف اَتَیْنَ میں سے صرف یاء حرف علت ہے باقی ہمزہ، تاء نون حروفِ علت نہیں بلکہ صحیح ہیں۔
جواب: ہمزہ اصل میں الف تھا جب ان حروف کے اول میں لائے تو الف کو حرکت دے دی تاکہ ابتداء بہ سکون لازم نہ آئے اور اس کا نام ہمزہ ہو گیا اور تاء اصل میں واؤ تھی لعدۂ اِتَّقَدَ، اِتَّحَدَ، تُجَاهٌ، تُرَاثٌ تُکْلَانٌ کی طرح واؤ کو تاء بنا دیا اور نون کو حروفِ علت کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ حروفِ مدہ آواز کے کھینچنے سے پیدا ہوتے ہیں اور نون غنہ بھی خیشوم کی طرف آواز کو کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے گویا کہ نون خیشوم میں مدہ ہے اور حروفِ علت حلق میں مدہ ہیں لہٰذا نون کو حروف علت کی مشابہت کی وجہ سے زیادہ کیا گیا۔
سوال: ہمزہ کتنے صیغوں کے لیے علامت ہے؟
جواب: ایک صیغہ واحد متکلم کے لیے۔
سوال: ہمزہ کو واحد متکلم کے لیے کیوں خاص کیا گیا؟
جواب ۱: اس مناسبت سے کہ متکلم مقدم ہے کیونکہ اسی سے کلام کی ابتدا ہوتی ہے اور ہمزہ بھی مقدم ہے کیونکہ اقصائے حلق سے باہر آتا ہے لہٰذا اس

مناسبت کیلئے ہمزہ کو خاص کیا گیا۔
جواب۲ : چونکہ ضمیر اَنَا واحد متکلم کے اوّل میں ہمزہ ہے لہٰذا اس مناسبت سے واحد متکلم کے لیے ہمزہ کو خاص کیا گیا۔
سوال : نون کو متکلم مع الغیر کے لیے کیوں خاص کیا گیا ؟
جواب : چونکہ ضمیر متکلم مع الغیر کے اوّل میں نون ہے لہٰذا متکلم مع الغیر کے لیے نون کو خاص کیا گیا۔ سوال : تاء کتنے صیغوں کے لیے ہے۔
جواب : آٹھ صیغوں کے لیے چھ مخاطب اور دو مؤنث غائبہ کے لیے۔
سوال : تاء کو مخاطب کے لیے کیوں خاص کیا گیا ؟
جواب : یہ تاء اصل میں واؤ تھی اور واؤ منتہائے مخارج سے ہے کیونکہ حروف شفویہ میں سے ہے اور کلام بھی مخاطب پر تمام ہوجاتا ہے اس لیے مخاطب کے لیے تاء کو خاص کیا گیا۔
سوال : اس صورت پر تاء اور غائب کے درمیان کوئی مناسبت نہیں کیونکہ غائب وہ ہے جس سے حکایت کی جائے لہٰذا واحد اور تثنیہ مؤنث غائب کے لیے تاء نہیں چاہیئے۔
جواب۱ : چونکہ ماضی میں ان دو صیغوں کے آخر تاء ہے لہٰذا مضارع میں بھی ان دو صیغوں کے اوّل تاء لائے اور چونکہ جمع مؤنث ماضی میں تاء نہیں لہٰذا جمع مؤنث مضارع کے اوّل تاء نہیں لائے بلکہ یاء لائے جو کہ غائب کے لیے مناسب تھی۔
جواب۲ : تاء واؤ کی فرع ہے اور مؤنث میں دو اعتبار متعارض ہیں ایک تانیث دوسرا غیبت چونکہ غیبت کے لیے یاء مناسب ہے اور تانیث کے لیے تاء کیونکہ مؤنث مذکر کی فرع ہے اور تاء واؤ کی فرع لہٰذا ہر دو اعتبار پر عمل کر کے واحد اور تثنیہ کے لیے تاء کو اور جمع مؤنث کے لیے یاء کو خاص کر دیا۔

سوال: وَاؤ کو تاء سے کیوں بدل کیا؟
جواب: اگر وَاؤ کو تاء سے بدل نہ کرتے تو بعض صیغوں کی آواز کُتّے کی آواز کے مشابہ ہو جاتی مثلاً مثال وادی سے ماضی وَعَدَ ہے اس سے مضارع بنائیں اور علامتِ مضارع واؤ لائیں وَوْعِدُ ہوگا بعدہٗ اگر اس پر واؤ عاطفہ لائیں وَوَوْعِدُ ہو جاتا ہے جو کہ کُتّے کی آواز کے مشابہ ہے نیز اس طرح تین واؤ کا جمع ہونا مکروہ ہے اور کلمے کی صورت قبیح ہو جاتی ہے لہٰذا واؤ کو تاء سے بدل دیا گیا اور ابدالِ واؤ بتاء قربِ مخرج کی وجہ سے کثیر ہے۔
جیسے اِتَّقَدَ تُجَاهٌ تَقْوٰی تُرَاثٌ تُكْلَانٌ وغیرہ۔
سوال: نون جمع مؤنث اور نون تاکید لاحق ہونے سے مضارع مبنی کیوں؟
جواب: نون تاکید شدتِ اتّصال کی وجہ سے بمنزلہ جزءِ کلمہ ہے لہٰذا اگر اعراب ماقبل نون پر داخل ہو تو اعراب وسط کلمہ میں لازم آتا ہے اگر نون پر واقع ہو تو اعراب حقیقت میں دوسرے کلمے پر آتا ہے لہٰذا اعراب ممتنع ہوا اور جب اعراب و بناء لفظ میں دو نقیضین کے حکم میں ہیں اور نقیضین کا ارتفاع اور اجتماع ممتنع ہے لہٰذا فعل مضارع بوقتِ اتّصال نون تاکید اور نون جمع مؤنّث مبنی ہوگا۔ نیز نون جمع مؤنّث چاہتا ہے کہ ماقبل ساکن ہو لہٰذا اس کا ماقبل اعراب کو قبول نہیں کرتا۔
سوال: نون جمع مؤنّث ماضی میں ماقبل سکون کا تقاضا کرتا ہے تاکہ توالی اربع حرکات لازم نہ آئے اور یہ مخدور مضارع میں مفقود ہے لہٰذا نون جمع مؤنّث مضارع میں ماقبل سکون کا تقاضا نہیں کرتا اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا ماقبل اعراب کو قبول نہیں کرتا۔
جواب: نون جمع مؤنّث جو مضارع میں ہے وہ نون جمع مؤنّث ماضی کے مشابہ ہے لہٰذا نون جمع مؤنث کو جو مضارع میں ہے ماقبل سکون چاہیے میں نون جمع مؤنّث ماضی پر قیاس کیا۔

سوال : وسط کلمہ اعراب لفظی سے مانع ہے نہ کہ اعراب تقدیری سے ورنہ مانندِ غُلَامِیْ میں اعراب تقدیری نہیں ہوسکتا لہٰذا مضارع کے ساتھ جب نون جمع مؤنّث اور نون تاکید لاحق ہو تو کیوں نہیں کہتے کہ مضارع با اعراب تقدیری معرب ہے؟

جواب : اس صفت میں مضارع کو غُلَامِیْ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ از روئے معنی کے مضارع سے نون جمع مؤنّث اور نون تاکید کا اتّصال اتصال شدید ہے لہٰذا بمنزلۂ جزو اور ان کا ماقبل قابلِ اعراب نہیں ہے بخلافِ اتصال یائے متکلم کے مانند غلام سے کیونکہ یہ صرف از روئے لفظ کے ہے نہ کہ از روئے معنی لہٰذا بمنزلۂ جزو نہیں کہ قابلِ اعراب نہ ہو۔

سوال : اتّصال نون جمع مؤنّث فعل مضارع سے از روئے لفظ معنی ہے کیونکہ ضمیرِ فاعل ہے اور اتصال نون تاکید فعل مضارع سے از روئے لفظ ہے نہ کہ از روئے معنی لہٰذا اس کا ماقبل غُلَامِیْ کی طرح قابلِ اعراب ہے ؟

جواب : تاکید عین مؤکّد ہوتی ہے۔

سوال : مضارع معتل بالفی مانند یَخْشٰی بالاتّفاق اعراب تقدیری سے معرب ہے حالانکہ اس سے اعراب ممتنع ہے تو پھر مضارع معتل الفی اور مضارع بانون جمع مؤنّث و نون تاکید کے درمیان فرق کیا ہے ؟

جواب : ان ہر دو میں فرق یہ ہے کہ معتل بالف اعراب کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کا آخر کلمہ موجود ہے اگرچہ خصوصیّت الف کے اعتبار سے متعذّر ہے اور حاصل یہ ہے کہ اعراب تقدیری میں ضروری ہے کہ آخر کلمہ میں اعراب کا اعتبار کریں تاکہ اعراب تقدیری اور محلّی کے درمیان فرق ہو جائے پس تقدیری میں قبول اعراب فی الجملہ ضروری ہے تاکہ مجرّد فرضِ اعراب نہ ہو۔

سوال : یاء کتنے صیغوں کے لیے علامت ہے ؟

جواب : چار صیغوں کے لیے تین مذکّر غائب اور ایک جمع مؤنّث غائب۔

سوال : غائب کے لیے یاء کو کیوں خاص کیا گیا ؟

جواب: چونکہ یاء حروفِ وسطیہ میں ہے اور غائب کا ذکر بھی متکلم اور مخاطب کے درمیان ہے لہٰذا یاء کو غائب کے لیے خاص کر دیا۔

سوال: صیغۂ غائب اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کرتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے قَالَ اللہُ تَعَالیٰ اور یَقُوْلُ اللہُ تَعَالیٰ حالانکہ اللہ تعالیٰ غائب نہیں۔

جواب۱: وہ ظاہری حواس سے غائب ہے جواب۲: اس جگہ غائب کا لغوی معنی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہے اور صرفیوں کی اصطلاح میں غائب سے وہ ذات مراد ہے جس کا ذکر متکلم اور مخاطب کے درمیان ہے وہ ذات اگرچہ متکلم اور مخاطب کے پاس موجود ہے مثلاً زید بکر کے پاس موجود ہے اور بکر خالد کو کہہ سکتا ہے۔ یَقْرَءُ زَیْدٌ (زید پڑھتا ہے)۔ اسی طرح مخاطب میں بھی اصطلاحی معنی مراد ہے یعنی مخاطب سے ایسی ذات مراد ہے جس سے متکلم کلام کر رہا ہے اگرچہ وہ متکلم کے پاس حاضر نہیں مثلاً زید لاہور میں بیٹھ کر بکر کو جو کہ کراچی میں ہے فون پر خطاب کر سکتا ہے۔ کَیْفَ حَالُكَ۔

سوال: یَقُوْلُ اللہُ تَعَالیٰ صیغہ مذکر کا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ مذکر ہے نہ مؤنث۔

جواب: شرافتِ مذکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

سوال: نون کتنے صیغوں کے لیے ہے؟

جواب: ایک صیغہ متکلم مع الغیر کے لیے ہے۔

سوال: نون کو متکلم مع الغیر کے لیے کیوں خاص کیا؟

جواب۱: متکلم مع الغیر ماضی کے صیغے میں نون ہے لہٰذا اس جگہ بھی نون لاتے۔

جواب۲: ضمیر نَحْنُ متکلم مع الغیر میں نون ہے لہٰذا نون کو خاص کیا گیا۔

سوال: قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلَمْ نَخْلُقْکُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ اور نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ مولیٰ کریم نے اپنی ذات کے لیے متکلم مع الغیر کے

صیغے استعمال فرمائے. حالانکہ اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک ہے.

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے صیغے اپنے لیے بطورِ تعظیم ارشاد فرمائے ہیں. اس قسم کے صیغوں کو جمع تعظیمی کہتے ہیں.

سوال: علامتِ مضارع کے لیے حرکت کیا ہے؟

جواب: علامتِ مضارع مفتوح ہوگی. مثال ضَرَبَ یَضْرِبُ نَصَرَ یَنْصُرُ سَمِعَ یَسْمَعُ فَتَحَ یَفْتَحُ کَرُمَ یَکْرُمُ اِجْتَنَبَ یَجْتَنِبُ اِنْفَطَرَ یَنْفَطِرُ اِسْتَغْفَرَ یَسْتَغْفِرُ تَقَبَّلَ یَتَقَبَّلُ تَضَارَبَ یَتَضَارَبُ تَسَرْبَلَ یَتَسَرْبَلُ البتہ ماضی چار حرفی کے مضارع معروف میں علامت مضارع مضموم ہوگی. مثال اَکْرَمَ یُکْرِمُ صَرَّفَ یُصَرِّفُ ضَارَبَ یُضَارِبُ دَحْرَجَ یُدَحْرِجُ.

فائدہ: اگر ماضی مکسور العین یا ماضی وصلی یا تائی ہو تو مضارع معروف میں علامت مضارع کا کسرہ بھی جائز ہے. مثل تِعْلَمُ اِعْلَمُ نِعْلَمُ. تِجْتَنِبُ اِجْتَنِبُ نِجْتَنِبُ تِقَبَّلَ اِقَبَّلَ نِقَبَّلَ یِجَلُ تِیجَلُ اِیجَلُ نِیجَلُ.

سوال: اَھْرَاقَ یُھْرِیْقُ اَسْطَاعَ. یُسْطِیْعُ میں علامت مضارع مضموم کیوں؟ حالانکہ ان کی ماضی چار حرفی نہیں.

جواب: ان کی ماضی چار حرفی ہے کیونکہ اَھْرَاقَ دراصل اَرْیَقَ تھا یاء الف ہوگئی بعدہٗ خلافِ قیاس ھاء لاحق ہوگئی اور اَسْطَاعَ دراصل اَطْوَعَ تھا واؤ الف ہوگئی. بعدہٗ خلاف قیاس سین لاحق ہوا بلکہ بعض کہتے ہیں کہ اِسْطَاعَ باب استفعال ہے دراصل اِسْتَطْوَعَ تھا واؤ کی حرکت ماقبل کو دے کر واؤ کو الف کر دیا اور تاء کو خلافِ قیاس حذف کر دیا.

سوال: علامتِ مضارع مفتوح کیوں؟

جواب: اس لیے فتحہ اخفّ الحرکات ہے.

سوال: ماضی چار حرفی کے مضارع معلوم میں علامت مضارع مضموم کیوں؟

جواب ۱: اگر مفتوح ہو تو باب افعال کا مضارع ثلاثی مجرد کے مضارع سے ملتبس ہو جاتا ہے مثلاً یَکْرِمُ کے متعلق کیا معلوم کہ باب افعال ہے یا مجرد۔ یُصَرِّفُ یُضَارِبُ یُدَحْرِجُ کو باب افعال پر قیاس کر کے ضمّہ دیا اگرچہ ان میں التباس کا خطرہ نہیں۔

جواب ۲: چونکہ ثلاثی کثیر الاستعمال اور رباعی قلیل الاستعمال ہے لہٰذا ثلاثی میں فتحہ دی جو کہ خفیف حرکت ہے اور رباعی میں ضمّہ۔

جواب ۳: رباعی ثلاثی کی فرع ہے اور ضمہ فتحہ کی فرع لہٰذا رباعی یعنی چار حرفی میں ضمّہ دیا۔

سوال: ضمہ فتحہ کی فرع کیسے ہے؟

جواب: اس لیے کہ بوقت تلفّظ فتحہ لب اپنے حال پر رہتا ہے اور بوقت تلفظ ضمہ اپنے حال پر نہیں رہتا۔

سوال: ماضی پانچ حرفی اور چھ حرفی کے مضارع میں علامت مضارع مفتوح کیوں حالانکہ یہ بھی ثلاثی کی فرع اور قلیل الاستعمال ہے۔

جواب: ضمہ ثقیل ہے اور ان میں بھی کثرتِ حروف کی وجہ سے ثقل ہے لہٰذا بوجہ تعادل فتحہ کو اختیار کیا جو کہ اخفّ الحرکات ہے۔

سوال: مضارع ثلاثی مجرد میں فاء کلمہ کو ساکن کیوں کر دیا حالانکہ ماضی میں مفتوح تھا جیسے ضَرَبَ سے یَضْرِبُ۔

جواب: تاکہ توالیٔ اربع حرکات لازم نہ آئے۔

سوال: ماضی کا آخر فتحہ پر مبنی تھا۔ مضارع کے آخر ضمّہ کیوں دیا؟

جواب: چونکہ ماضی مبنی تھی اور مضارع معرب لہٰذا اس کے آخر ضمّہ اعرابی دیا

سوال: مضارع معرب اور باقی افعال مبنی کیوں؟

جواب: فعل مضارع میں علتِ اعراب موجود ہے باقی میں مفقود۔

سوال : علتِ اعراب کیا ہے ؟
جواب : علتِ اعراب دو چیزیں ہیں (۱) توارد معانی مختلفہ جیسا کہ اسم میں (۲) مشابہت تامہ جیسا کہ مضارع میں اور باقی افعال میں نہ توارد معانی مختلفہ ہے اور نہ مشابہت تامہ۔
سوال : نون اعرابی کو سات صیغوں کے آخر میں کیوں لائے ؟
جواب : شدتِ اتصال ضمیر مرفوع کی وجہ سے فعل کا آخر وسط کلمہ کے حکم میں ہوگیا۔ چونکہ فعل مضارع معرب ہے لہٰذا اعراب اگر ضمیر سے پہلے لائیں تو اعراب بظاہر درمیان کلمہ میں واقع ہوگا اور اگر ضمیر پر داخل کریں تو حقیقت میں اعراب دوسرے کلمہ میں واقع ہوگا لہٰذا نون کو اعراب کے عوض لاتے اسی لیے اس کو نون اعرابی کہتے ہیں۔
سوال : بدلیت اعراب رفع کے لیے نون کو کیوں خاص کیا ؟
جواب : نون واؤ کے موافق ہے۔ اور دو ضمہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا مضارع کا اعراب بھی رفع ہے۔
سوال : نون اعرابی کو مضارع کے آخر میں کیوں اول میں کیوں نہیں لائے ؟
جواب : اس لیے کہ اعراب کلمہ کی صفت یعنی فاعلیت ومفعولیت پر دال ہے اور صفت موصوف کے بعد ہوتی ہے لہٰذا اعراب کا محل آخر کلمہ ہوا۔
سوال : جب نون اعرابی مضارع کے اعراب کا بدل ہے تو پھر یَفْعَلُوْنَ تَفْعَلُوْنَ میں باوجود رفع کے نون اعرابی کیوں لاتے ؟
جواب : یہ وہ رفع نہیں ہے جو واحد میں تھا بلکہ یہ ضمہ واؤ کی موافقت کے لیے ہے۔
سوال : تثنیہ میں نون اعرابی مکسور باقی میں مفتوح کیوں ؟
جواب : جمع مذکر غائب حاضر میں نون کا ماقبل واؤ ہے اور واحد مؤنث حاضر میں یاء ہے اور واؤ یاء دونوں ثقیل ہیں اور ان تین جگہ ضمہ دیتے

تو ثقل زیادہ ہو جاتا لہٰذا رفع دے دیا اور چار تثنیہ میں ماقبل الف ہے اور متحمل ہر اعراب ہے لہٰذا السَّاکِنُ اِذَا حُرِّکَ حُرِّکَ بِالْکَسْرِ کے قاعدہ سے کسرہ دیا۔

جوابِ ۲: کسرہ ضمّہ اور فتحہ کے درمیان متوسط ہے اور تثنیہ بھی واحد اور جمع کے درمیان متوسّط ہے لہٰذا متوسّط کا متوسّط کو دینا اَولیٰ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِکَاتِبِہٖ وَلِوَالِدَیْہِ وَلِاَسَاتِذَتِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ

ختم شُد